مراد آباد کے غیر مسلم شعرا

موسوم بہ اسم تاریخی

تذکرۂ زیبِ چمن

محمد آصف حسین

رہتا سخن سے نام قیامت تلک ہے ذوقؔ
اولاد سے رہے یہی دو پشت چار پشت

مرادآباد کے غیر مسلم شعرا

موسوم بہ اسم تاریخی

تذکرۂ زیب چمن

۱۴۳۷ھ

مؤلفہ
محمد آصف حُسین

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب : مرادآباد کے غیر مسلم شعرا
نام مؤلف : محمد آصف حُسین
ناشر : مؤلف
سن اشاعت : دسمبر ۲۰۱۵ء
مطابق ربیع الاوّل ۱۴۳۷ھ
صفحات : ۱۳۶
قیمت : ۲۵۰ روپے
کمپوزنگ : کمپیوٹر ایرا، دیوان کا بازار، مرادآباد
طباعت : ایم کے آفسیٹ، پرنٹرس، دہلی

کتاب ملنے کے پتے

- معرفت ٹیسٹی ڈیری، دیوان کا بازار مرادآباد
- مرزا بک ڈپو، نئی سڑک، مرادآباد

MORADABAD KE GHAIR MUSLIM SHO`RA
BY MOHD. ASIF HUSAIN
EDITION 1ST - DEC. 2015
RS. 250/=

انتساب

مادرِ وطن

ہندوستان کی تہذیب وثقافت

کے نام

کہ جس کے زیر سایہ اُردو نے جنم لیا

جو

کثرت میں وحدت، رواداری اور قومی یکجہتی

کی علامت ہے۔

●

محمد آصف حُسین

فہرست شعرا

نیک خواہشات	منصور عثمانی	۷
منارۂ تحقیق	ستیش فگارؔ	۹
ابتدائیہ	مرتب	۱۳

اُجالے یادوں کے (۲۷ تا ۹۲)

اثر	چھبالال	۲۸
افسوس	رام کمار	۲۸
اندرمن	لالہ اندرمن مہاجن	۲۹
بسمل	لالہ واسودیو	۳۲
بھوکن	بھوکن سرن	۳۲
بیتاب	کشن کمار	۳۳
بیدل	منگل سنگھ	۳۳
پیتم	نشی پیتم رائے	۳۴
تمکین	گروسروپ	۳۵
چندر	سریش چندر شرما	۳۶
دِگج	اوم پرکاش	۴۰
داس	نروتم داس	۴۱
دتّ	پنڈت دت رام	۴۰
ذوقی	ذوقی رام	۴۲
ربط	دیبی پرساد	۴۴

رحیف	لالہ شری واستو	۴۷
رفعت مرادآبادی	منشی منولال	۴۷
رمز	منشی بہاری لال	۴۸
زار	چھوٹے لال	۵۰
زخمی	دھرم آنند	۵۰
شاد	رام پرشاد	۵۱
شاد	وید پرکاش	۵۲
شکر	رادھا کرشن	۵۳
شمس	نرائن سنگھ	۵۴
شوق	لالہ جگدیش لال زتشی	۵۵
شیدا	کیلاش	۵۶
ضبط	کنہیالال	۵۶
طالب	ویر بھان سنگھ بھارتی	۵۸
عاصی	برج لال بھٹناگر	۵۹
غافل	پیارے لال	۶۲
غافل	بختاور سنگھ	۶۳
فرخ	بدری داس	۶۵
کیفی	بھوکن سرن کیفی	۶۶
گوپال	گوپال داس	۶۶
مسرور	پنڈت کامتا پرشاد	۶۷
مشفق	رام کرشن	۶۸

مفتوں	لچھمن نرائن	۷۲
مقبول	لالہ جے سکھ	۷۳
ممتاز	بھگوت سرن	۷۵
منشی	برج موہن لال	۷۷
وفا	مہیندر ناتھ	۷۸
وفا	لالہ نول رائے	۷۹
وقار	رائے کنور کشن کمار	۸۰
ہادی	رائے پردومن کشن	۸۱
ہری	ہری شنکر	۹۱
ہوش مرادآبادی	شیونرائن	۹۲
یکتا	پادری اے نیول	۹۲

روشن چراغ (۹۳ تا ۱۳۲)

ماہر	کیلاش	۹۴
لارنس	رولینڈ لارنس	۹۷
تیاگی	وجے پرکاش	۱۰۴
فگار	ستیش کمار گپتا	۱۰۹
اونکار	اونکار سنگھ	۱۱۵
ناز	کرشن کمار	۱۲۲
انک	انکت کمار گپتا	۱۳۱

کتابیات ۱۳۴

مرتب کا تعارفی خاکہ ۱۳۶

نیک خواہشات

زبانوں کا مذاہب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، نہ ہی زبانیں کسی مذہب کی پابند یا اس کی تابع ہوتی ہیں۔ البتہ مذاہب کو زبانوں کی ضرورت ہوتی ہے اپنی ترسیل کے لیے۔ لیکن بدقسمتی کہ ہمارے ملک کی بدچلن سیاست نے تقسیم وطن کے بعد زبانوں کو بھی تقسیم کرنے کی ناکام کوشش کی یعنی یہ پروپیگنڈا کیا گیا کہ ہندی ہندوؤں اور اُردو مسلمانوں کی زبان ہے۔ اپنے ناپاک ارادوں کی بیل منڈھے چڑھانے کے لیے ہزار سیاسی ہتھکنڈے بھی اپنائے گئے اس مذموم کوشش، سازش اور ہتھکنڈوں کو ناکام کیا ہمارے شاعروں اور ادیبوں نے۔ ہمارے ادبی گہوارے کو دیکھیے تو پایئے گا کہ ہر دور میں ہزار ہا ادیبوں اور شاعروں نے بلا لحاظ مذہب ہندی اور اُردو میں اپنے فکر وفن کے جوہر دکھا کر یہ ثابت کر دیا کہ زبانیں زندہ قوم کی پہچان اور ملک وطن کی شان ہوتی ہیں۔ لہٰذا ہندی ہو یا اُردو، دونوں کا رشتہ ہندوستان سے ہے، یہاں کے عوام سے ہے، کوئی زبان کسی مخصوص فرقے کی نہیں پورے ہندوستان کی زبان ہے۔ خاص طور سے اُردو زبان کے بارے میں پورے یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ زبان اپنی پیدائش سے لے کر اپنی موجودہ شکل تک ہمارے عظیم ملک ہندوستان کی تہذیبی اور ثقافتی خوشبو سے مالا مال ہے۔

ہماری ادبی تاریخ شاہد ہے کہ جس طرح بے شمار مسلمانوں نے ہندی اور سنسکرت میں اپنے کمال فن کا مظاہرہ کیا اسی طرح لاتعداد ہندوؤں نے بھی اُردو اور فارسی کے خزانے کو ہر دور میں مالا مال کیا ہے۔

عزیزم ڈاکٹر محمد آصف حسین کی زیر نظر کتاب اسی ادبی خزانے میں مرادآباد کے غیر مسلم ادیبوں اور شاعروں کی حصہ داری منظر عام پر لانے کی ایک کامیاب کوشش ہے۔

اُنھوں نے پہلی بار یہ کام کیا ہے کہ مرادآباد کے ایوانِ ادب کے بیشتر نئے پرانے چراغوں کو کتابی شکل دی ہے۔ زبان کی موجودہ روش اور سماج کے تیزی سے بدلتے ہوئے منظرنامے کو دیکھتے ہوئے آصف صاحب نے بھی بہ عجلت یہ خدمت انجام دی ہے، اس عجلت میں ممکن ہے کچھ لوگ چھوٹ گئے ہوں جن کی خبر ملتے یقیناً اضافے کے ساتھ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع کریں گے۔ ان کی بے لوث تصنیفی، تالیفی اور تحقیقی سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے ہمیں ان پر پورا بھروسا ہے۔

آصف صاحب کا شوقِ جستجو اور ذوقِ تحقیق نہایت قابلِ قدر ہے۔ اُنھوں نے اپنے زرخیز ذہن اور متوازن قلم سے نعتیہ ادب پر جو کام کیا ہے وہ علمی دیانت داری کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔ ساتھ ہی حالات وواقعات کی بکھری ہوئی جزیات کو وہ جس کامل مہارت سے یکجا کرتے ہیں وہ ہُنرمندی زیرِنظر کتاب سے بھی ثابت ہے۔

ملک کی لسانی یکجہتی اور تہذیبی اتحاد کے فروغ کی خاطر اُنھوں نے ایک ماہ سے بھی کم مدت میں اس کتاب کو مرتب کرکے وہ کارنامہ انجام دیا جو دوسرے لوگ برسوں میں بھی نہیں کرسکتے تھے۔ اس کتاب کی اہمیت کا حق ہے کہ مرتّب کی نیک نیتی اور اُن کے قلمی خلوص کی تعریف کی جائے۔

میں محمد آصف حسین کے قلمی مشن کی ہمہ گیر اور ہر طور کامیابی کے لیے اپنی نیک خواہشات پیش کرتا ہوں اور اپنا یہ اعتماد بھی ظاہر کرتا ہوں کہ یہ کتاب ادبی حلقوں میں مقبولیت کے ساتھ ساتھ خود کو منوا کر آنے والے وقت میں اس موضوع پر تحقیقی کام کرنے والوں کی مشکلات کو آسان کرے گی۔

منصور عثمانی

نجمہ ہاؤس، بارہ دری

مرادآباد

منارۂ تحقیق

صبح کا وقت تھا، میں کچہری جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ یکا یک میرا موبائل گھنگنا اُٹھا میں نے معلوم کرنا چاہا کہ کون صاحب بول رہے ہیں؟ اُدھر سے جواب، سوال کی شکل میں آیا ''کیا آپ فگارؔ صاحب بول رہے ہیں؟ میں نے کہا کہ میں فگارؔ ہی بول رہا ہوں۔ اُدھر سے پھر جواب آیا میں آصف بول رہا ہوں۔ میں نے عاجزی سے فوراً جواب دیا کہ یہ ناچیز آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہے؟ آپ نے مجھے یاد کیا، اس کی بہت خوشی ہوئی۔ دُعا سلام کے بعد بات چیت کا سلسلہ شروع ہوا۔

ہماری ملاقات پچھلے دس بارہ سال سے ہے جب میری کتاب عکسِ جمال کا اجراء ہوا تھا تب ڈاکٹر محمد آصف حسین نے میرے تعلق سے ایک مختصر سا مقالہ پڑھا تھا۔ اس کے بعد ملاقاتوں کا سلسلہ رہا لیکن ادھر کافی عرصے سے براہِ راست ملاقات نہیں ہوسکی تھی۔ بہر حال انھوں نے اپنے اصلی مقصد کی طرف آتے ہوئے کہا کہ میں آپ سے جلد از جلد ملنا چاہتا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ میں آج ہی آپ کے درِ دولت پر حاضری دیتا ہوں اور میں وقتِ معیّنہ پر اُن کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

بعد سلام، کلام کا سلسلہ شروع ہوا۔ آصف صاحب نے فرمایا کہ اُنھوں نے ایک کتاب ''مرادآباد کے غیر مسلم شعرا'' ترتیب دی ہے۔ اس کتاب پر مجھ سے کچھ لکھوانا چاہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ میں تو ایک ادنیٰ شاعر ہوں، بس اپنی تسکینِ ذوق کے لیے تھوڑی بہت شاعری کر لیتا ہوں، نثر کے دو چار جملے لکھ لوں تو بڑی بات ہے۔ لہٰذا میں نے اپنی طرف سے کچھ اچھّے نثر نگاروں کے نام بھی سُجھائے مگر اُنھوں نے میرا مشورہ مسترد کرتے ہوئے مجھے مخلصانہ حکم دیا کہ یہ کام آپ کو ہی کرنا ہے اور وہ بھی جلد از جلد۔ بالآخر مجھے اُن کا حکمِ محبت ماننا ہی پڑا۔ آصف صاحب میرے کرم فرماؤں میں ہیں، اُن کا حکم ٹالنا میرے

لیے مشکل ہی نہیں ناممکن تھا۔ میں نے وعدہ تو کرلیا اب اس کے ایفا کی بھی فکر ہوئی۔ لہٰذا چند سطریں سپردِ قلم کرر ہا ہوں۔

اس کتاب پر کچھ لکھنے سے پہلے ضروری سمجھتا ہوں کہ اُن کی شخصیت اور رُجانات پر بھی روشنی ڈالی جائے۔ کیوں کہ اس کے بغیر نہ تو کتاب کے ساتھ اور نہ ہی کتاب کے مرتب کے ساتھ انصاف ہو سکے گا۔

ڈاکٹر محمد آصف حُسین خوش کلام، خوش فہم اور خوش مزاج انسان ہیں۔ دورانِ گفتگو اُن کے لبوں پر تبسم رقصاں رہتا ہے۔ ہاں بوقت ضرورت کبھی لب پر تو کبھی زیر لب۔ کم سِنی سے ہی انھیں ادب سے گہرا لگاؤ رہا ہے۔ یہ لگاؤ اور ذوق صرف اُردو سے ہی نہیں بلکہ ہندی سے بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اُردو اور ہندی میں زیادہ فرق نہیں مانتے کیوں کہ دونوں ہی زبانیں گنگا جمنی تہذیب کی متحمل ہیں۔ آصف صاحب فرقہ پرستی اور تمکنت سے کوسوں دور ہیں یا یوں کہیے کہ یہ دونوں چیزیں انھیں چھو کر بھی نہیں گزری ہیں۔ اس دورِ انحطاط میں بھی سالم اور محکم خیالات کے مالک ہیں، بغض وحسد وغیرہ سے بے نیاز ہیں۔ دینِ حق کے ماننے والے ہیں اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی اپنی طرف سے سعی کامل کرتے ہیں۔ خدا اور اس کے رسول سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ اُنھوں نے اُردو ادب کی صنف سخن ''نعت'' کے فروغ کے لیے شہر مرادآباد میں 'حمد و نعت فاؤنڈیشن' کی بنیاد رکھی جس کے صدر جناب گوہرؔ عثمانی مرحوم کے لختِ جگر منصورؔ عثمانی صاحب ہیں جو زمانۂ حال میں عرصہ دراز سے ساری دُنیا میں شہر جگر کی نمائندگی اور نام روشن کر رہے ہیں۔ حمد نعت فاؤنڈیشن بغیر مذہب وملّت نعت گو شعرا کو ایوارڈ اور اعزاز سے نوازتی ہے۔ راقم الحروف کو بھی اس فاؤنڈیشن کی طرف سے میرے نعتیہ ومنقبتی مجموعہ کلام 'کوثر مدحت'' پر فخر ملت ایوارڈ حاصل ہو چکا ہے۔

بہت سی ملاقاتوں کے بعد میں پایا کہ ڈاکٹر محمد آصف حسین کی طبیعت کا جھکاؤ صوفی ازم کی طرف ہے اور یہ ان کی بڑی خوبی ہے۔ وہ خدمت خلق کے جذبے سے معمور ہیں اور

انسانوں میں کسی طرح کی تفریق کے قائل نہیں ہیں وہ ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کے صرف ماننے والے ہی نہیں ہیں بلکہ اس پر سختی سے عمل پیرا بھی ہیں۔ دیش بھکتی اور حب الوطنی ان کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ وہ بالکل سادہ مزاج ہیں، ظاہر و باطن ایک ہے، تعصب کی لعنت سے ماورا ہیں۔ مزاج سے جتنے نازک ہیں طبیعت سے اتنے ہی مشکل پسند ہیں۔ جس کا ثبوت اُن کی یہ کتاب ہے۔ اب میں اپنے اصلی مقصد کی طرف آتا ہوں۔

''مرادآباد کے غیر مسلم اُردو شاعر'' میں پچپن شاعروں کا تذکرہ ہے۔ اس کتاب میں مرادآباد کے قدیم سے قدیم تر زمانے کے شاعروں کو لیا گیا ہے۔ یہ کتاب پڑھ کر مجھے ایسا لگا کہ اُنھوں نے وقت کی گہری قبروں میں مدفون شاعروں کا تذکرہ اور اُن کا کلام پیش کر کے اُن شاعروں کو موجودہ نسلوں کے سامنے لاکر زندہ کھڑا کر دیا ہے۔ ان میں زیادہ تر شاعر ایسے ہیں کہ شاید جن کی نسلیں بھی اُنھیں بھول چکی ہوں گی۔ آصف صاحب نے اپنے جذبہ خلوص اور تحقیق کے جادو سے ان غیر معروف شاعروں کو ایک نئی زندگی بخشی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ان کے اس کارِ خیر سے ان شاعروں کی روح کو عالمِ برزخ میں بڑی تسکین ملے گی اور ان کی موجودہ نسلیں بھی جب اس کتاب کے ذریعے اپنے آباواجداد سے واقف ہوں گی تو فخر محسوس کریں گی۔

پرانے شاعروں کو ڈھونڈھ نکالنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ لہٰذا آصف صاحب کو جس شاعر کے جتنے بھی حالات دستیاب ہو سکے اور جتنا کلام مل سکا اُسے یہاں پیش کر دیا ہے۔ اس کام میں اُنھوں نے پوری دیانت داری اور ایمان داری سے کام لیا ہے، یہ مجھے یقین ہے۔ خوشی کہ بات یہ بھی ہے کہ اُنھوں نے موجودہ دور کے شاعروں کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے بلکہ ان کو بھی معقول جگہ دی ہے تاکہ موجودہ شاعروں کو بھی کوئی شکایت کا موقع نہ ملے۔ دورِ حاضر کے شعرا میں راقم الحروف ستیش کمار گپتا فگارؔ اور اونکار سنگھ اونکار جیسے عمر دار لوگوں کو شامل کیا ہے تو کرشن کمار نازؔ جیسے ادھیڑ اور انکت کمار انک جیسے نوعمر شاعر بھی اس میں شامل ہیں۔

قدیم شاعروں کو زندہ اور پائندہ بنانے والے آصف صاحب نے یہ کارِ خیر ہی نہیں کیا بلکہ کارِ ثواب بھی کیا ہے۔اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ اُردو کے خزانے میں بہت سے ایسے نگینے بھر دیے ہیں کہ جن کی قیمت نہیں آنکی جا سکتی۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی قباحت نہیں کہ یہ کتاب اُردو ادب میں ایک اہم اضافہ ہے جو صرف لائبریری کی زینت ہی نہیں بنے گی بلکہ ریسرچ اسکالر کے لیے ایک کشادہ راستہ اور وسیع میدان بھی ہموار کرے گی۔اُمید ہے کہ ریسرچ اسکالر اس سے ضرور فیضیاب ہوں گے۔

محمد آصف حسین کا یہ کارنامہ قابلِ ستائش ہے۔ یہ کتاب اہل ذوق کے دل و دماغ کو ضرور معطّر کرے گی۔ مجھے اُمید ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ اہل مرادآباد خاص طور پر اہل ہنود حضرات اس پر فخر کریں گے اور ان کا سینہ بھی خوشی سے چوڑا ہوگا اور ادبی دُنیا ہمیشہ ہمیشہ اس کارنامے کو یاد رکھے گی۔

آصف صاحب سے میری گزارش ہے کہ اگر اس کتاب کو ہندی یعنی دیوناگری رسم الخط میں بھی چھپوایا جائے تو اس کتاب کی اہمیت اور قیمت میں کئی گنا اضافہ ہوگا۔

ڈاکٹر محمد آصف حسین سے مجھے بڑی اُمیدیں ہیں، مجھے ان کا ادبی مستقبل بڑا روشن نظر آرہا ہے۔اللہ لم یزل کی بارگاہ میں دُعا گو ہوں کہ یہ کتاب مقبول عام ہو اور آصف صاحب کا ادب کی خدمت کا جذبہ اسی طرح جوان بنا رہے،ایک سے بڑھ کر ایک ادبی شاہکار دُنیا کو پیش کرتے رہیں اور اہل نقد و نظر سے اسی طرح داد و تحسین پاتے رہیں۔قسام ازل انھیں بخیر و عافیت اور بہ صحت و سلامتی لمبی عمر عطا فرمائے۔آمین

راقم الحروف
ستیش کمار گپتا ایڈووکیٹ
المتخلص ستیش فگار مرادآبادی
موبائل:/9756520260

۲۳/دسمبر ۲۰۱۵ء
۲/۲۱/۲۷۴ بدھی وہار،
دہلی روڈ، مرادآباد

ابتدائیہ

اُن کا جو فرض ہے وہ اہل سیاست جانیں
میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

ہندوستان کی ملی جلی تہذیب اور گنگا جمنی سنسکرتی کی علامت ایک ایسی زبان جو صوفی سنتوں کے مدھ بھرے اُپدیشوں کے ذریعے وجود میں آئی۔ مختلف علاقوں کے واسیوں کو ایک دوسرے سے جوڑنے کے لیے، ایک دوسرے کا دل جیتنے کے لیے، پپتا سننے کے لیے، درد بانٹنے کے لیے۔ اپنی بات کہنے کے لیے دوسروں کی بات سننے کے لیے، ایک مادھیم ایک ذریعہ بن کر اُبھری۔ جس کے ابتدائی نقوش خسرو کی کہہ مکرنیوں میں، دوہوں اور پہیلیوں میں نظر آتے ہیں۔ نانک کی وانی میں جس کی چاشنی ملتی ہے۔ جائسی کی پدماوت میں، پرتھوی راج راسو میں، بہاری کی ست سئی اور میرا کے پدوں میں جس کی خوشبو محسوس کی جاسکتی ہے۔ جسے خسرو نے 'ہندوی' مصحفی نے 'ہندی' اور مہاتما گاندھی نے ہندوستانی کہا اور آج ہم اسے اُردو کہتے ہیں۔

اُردو کی مقبولیت اور ہر دل عزیزی کی وجہ وہ خلوص ہے جو اسے درویشوں اور صوفیوں سے حاصل ہوا۔ جس کی وضاحت کرتے ہوئے بابائے اُردو مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

''دلوں کو ہاتھ میں لینے کے لیے سب سے پہلے ہم زبانی لازم ہے۔ ہم زبانی کے بعد ہم خیالی پیدا ہوتی ہے۔ دُرویش (یعنی صوفی) کا تکیہ سب کے لیے کھلا تھا۔ بلاامتیاز ہر قوم وملت کے لوگ اُن کے پاس آتے اور اُن کی زیارت اور صحبت کو موجب برکت

سمجھتے تھے۔عام وخاص کی کوئی تفریق نہ تھی۔خواص سے زیادہ عوام اُن کی طرف جھکتے تھے۔اس لیے تلقین کے لیے اُنھوں نے جہاں اور ڈھنگ اختیار کیے ان میں سب سے مقدم یہ تھا کہ اُس خطّے کی زبان سیکھیں تاکہ عوام تک اپنا پیغام پہنچا سکیں۔چنانچہ جتنے اولیاءاللہ سرزمین ہند میں آئے یا یہاں پیدا ہوئے وہ باوجود عالم وفاضل ہونے کے عوام سے اُنھیں کی بولی میں بات چیت کرتے اور تعلیم وتلقین فرماتے۔یہ بڑا گُر تھا اور صوفیا اسے خوب سمجھتے تھے۔''

(اُردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیاے کرام کا کام ص ۴)

لہٰذا جیسے جیسے ان محبت کے پیغامبروں یعنی صوفیوں کا حلقہ بڑھتا گیا، اُن کے عقیدت مندوں کا سلسلہ طویل ہوتا گیا ویسے ویسے اُن کے رابطے کے وسیلے کے طور پر ایک ایسی زبان وجود میں آئی جو نہ عربی تھی، نہ فارسی، نہ پشتو تھی اور نہ سندھی بلکہ وہ اِن تمام بھاشاؤں کے الفاظ کا ایک ایسا مرکب تھا جو سنسکرت، پالی، اپ بھرنش، کھڑی بولی، قنوجی اور بھارت کی دیگر علاقائی زبانوں اور بولیوں کے میل جول سے تیار ہوا تھا۔جب ان الفاظ کو فارسی رسم الخط میں لکھا گیا، تو اس مرکب کو اُردو کہا جانے لگا، جو ہمارے ملک یعنی ہندوستان کی افرادی شان یعنی کثرت میں وحدت، انیکتا میں ایکتا کی واضح دلیل ہے۔

چونکہ اس زبان کی نشوونما خانقاہوں میں ہوئی تھی صوفیوں نے اس کو اپنایا، عالموں اور وِدوانوں نے جس کی اہمیت وافادیت کو سمجھا اور اُسے رابطے کی زبان کے طور پر فروغ دیا تھا لہٰذا یہ اُنھیں مہاتماؤں کا احسان ہے کہ آج یہ زبان ایک ایسا ذریعہ، واسطہ اور وسیلہ بن چکی ہے کہ چہار دانگ عالم میں اس زبان کو ہر دل عزیزی حاصل ہے، جس کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے اور آج بھی اس کے ذریعے پریم کے ساغر پلائے جا رہے ہیں۔منصورؔ عثمانی نے کیا خوب کہا ہے کہ:

جہاں جہاں کوئی اُردو زبان بولتا ہے
وہیں وہیں مرا ہندوستان بولتا ہے

ایسا نہیں ہے کہ اس زبان میں یہ خوبی، یہ سلاست، یہ روانی، یہ شستگی اور شائستگی یک بیک آ گئی یا ان صوفی سنتوں نے یک بیک یہ زبان پیش کردی، بلکہ اس کا ارتقا قانونِ فطرت کے مطابق ہوا۔ شروع میں کسی بزرگ کی زبان سے ایک لفظ نکلا تو کسی کی زبان سے ایک جملہ، کسی کی زبان سے ایک مصرع تو کسی کی زبان سے پورا شعر وارد ہو گیا۔ جس کی مثالیں کتب تاریخ اور زبان و ادب میں جا بجا ملتی ہیں۔ اگر ان کا یہاں ذکر کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے لہٰذا اختصار کام لیتے ہوئے چند مثالیں ملاحظہ کیجیے:

بابا فرید گنج شکر (م ۶۶۴ھ) کا بہت سا کلام گرو گرنتھ صاحب میں بھی شامل ہے، اُن کے یہاں اُردو کی ابتدائی شکلیں دیکھنے کو ملتی ہے مثلاً

جوبن جائے تو جائے، پر پیا کی پیت نہ جائے
دیکھ سکھی جوبن کتنے، بن پریت کے کمہلائے

(تاریخ ادب اُردو ج ا ص ۷۷۔۳۱ از سیّدہ جعفر، گیان چند جین)

اسی طرح بوعلی شاہ قلندر پانی پتی (م ۷۲۴ھ) کی زبان سے یہ دوہا نکلا

سجن سکارے جائیں گے اور نین مریں گے روئے
بدھنا ایسی رین کر، بھور کدھی نہ ہوئے

(ایضاً ص ۳۸۳)

آیئے اب ایک ایسی شخصیت کی طرف چلتے ہیں جو اُردو اور ہندی کے بیچ کی ایک اہم کڑی ہے اگر اُردو ادب کی تاریخ اُن کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہوتی تو ہندی ادب میں بھی اُن کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ بقول منصورؔ عثمانی

ہندی رانی دیش کی، اُردو جس کا تاج
خسرو جی کی شاعری ان دونوں کی لاج

خسرو(۷۲۵ھ) کا اکثر کلام فارسی میں ہے اور کچھ ہندی میں بھی ہے۔اُن کے اس ہندی کلام میں ہی اُردو کے ارتقائی نمونے ملتے ہیں بقول حامد حسن قادری ان کو ہندی زبان سے خاص محبت تھی اس لیے اُنھوں نے ہندی الفاظ اپنی فارسی نظموں میں بھی کثرت سے استعمال کیے ہیں ۔(داستان تاریخ اُردو ص ۵۲) ان کا مشہور دوہا ہے:

گوری سووے سیج پر، مکھ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر آپنے سانجھ بھئی چوں دیس

یا ان کی مشہور غزل کے یہ اشعار

زحالِ مِسکیں مکُن تغافل، دورائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تابِ ہجراں نہ دارم اے جاں، نہ لیہوں کاہے لگائے چھتیاں
شبانِ ہجراں دراز چوں زُلف ، و روزِ وصلش چو عمر کوتاہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
یکا یک از دل دو چشمِ جادو بصد فریبم بُبُردِ تسکیں
کسے پڑی ہے جو جا سُناوے، پیارے پی کو ہماری بتیاں
(اُردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام ص ۱۲)

خواجہ بندہ نواز گیسودراز (م ۸۲۵ھ) دکنی زبان کے شاعر ہیں۔ان کے کلام میں دکنی کے ساتھ اُردو کی ابتدائی شکل ملاحظہ کیجیے:

اے محمد ہجلو جم جم جلوہ تیرا
ذات تجلی ہوے گی سیس سپورنہ سہرا
واحد اپنی آپ تھا اپیں آپ نجھایا
پر کٹھ جلوے کاڑ کے الف میم ہوآیا
عشقوں جلوہ دینے کر کاف نون بسایا

شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ (م ۹۴۴ھ) فارسی کے ساتھ ہندی میں الکھ داس کے نام سے شاعری کرتے تھے۔ دیکھیے ان کے وہاں اُردو اور ہندی کا کتنا حسین امتزاج ملتا ہے:

صدق رہبر، صبر توشہ، دشت منزل، دل رفیق
ست نگری، دھرم راجا جوگ مارگ (کذا)

ان مثالوں کو پیش کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اُردو کی نشوونما بزرگوں کے ذریعے خالص ہندوستانی ماحول میں ہوئی اور اُس کی بنیاد میں پریم، محبت اور بھائی چارے کا عنصر شامل ہے۔

اسی طرح اگر ہندی کویوں (कवियों) کو دیکھا جائے تو اُن کے یہاں بھی عربی، فارسی اور ترکی کے الفاظ بڑی تعداد میں استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً کبیر داس کے یہ اشعار دیکھیے:

ہمن ہے عشق مستانہ ہمن کو ہوشیاری کیا
رہیں آزاد یا جگ میں، ہمن دُنیا سے یاری کیا
کبیرا عشق کا ناتا، دوئی کو دور کر دل سے
جو چلنا راہ نازک ہے، ہمن کو بوجھ بھاری کیا

(داستانِ تاریخ اُردو ص ۵۷)

پروفیسر محمد حسن نے اپنی کتاب 'ہندوستانی رنگ' میں گروگرنتھ صاحب، سورداس، تلسی داس، ملک محمد جائسی، پرتھوی راج راسو، بہاری ست سئی، کبیر اور میرابائی کے کلام سے سیکڑوں عربی فارسی اور ترکی الفاظ کی فہرست دی ہے۔ جس کو دیکھ کر یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ ہمارے بزرگوں نے بھاشا کو صرف مادھیم یا وسیلے کے طور پر استعمال کیا محبت کا پیغام پہنچانے کے لیے، پیار کی جوت جلانے کے لیے۔ اُنھوں نے بھاشا کو دھرم سے نہیں جوڑا بلکہ دل سے جوڑ کر دلوں کو جوڑنے کی بات کی۔ کیونکہ:

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

جب دل ملے اور دل سے بات نکلی تو پھر رس کھان، برکت اللہ پریمی، نسیم محمود اور میر فیض اللہ جیسے کوی نظر آتے ہیں جو بھکتی کاویہ کے اُفق پر آج بھی جگمگا رہے ہیں۔ دوسرا رخ یہ دیکھیے کہ ہزاروں ہندو شاعر پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و توصیف میں سرگرم نظر آتے ہیں۔ اگر ایسے ہندوؤں کی فہرست مرتب کی جائے تو ہزاروں نام شامل ہو جائیں گے دورِ جدید پر ہی نگاہ ڈالیں تو سیکڑوں ناموں کی فہرست سامنے آجاتی ہے۔ راجا کشن کمار شاد، پنڈت دلورام کوثری، سادھو رام آرزو سہارن پوری، ہری چند اختر، گرسرن لال ادیب لکھنوی، چندر بھان خیال وغیرہ ایسے نام ہیں جو نعت گوئی کے حوالے سے بھی اپنی شناخت رکھتے ہیں۔ اچھی بات یہ ہے کہ ہندو شاعروں کے نعتیہ کلام کے انتخابات اور تذکرے بھی شائع ہوئے ہیں۔ ابھی حال ہی میں ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ نے 'ہمارے رسول' کے نام سے بڑا جامع اور وقیع تذکرہ ترتیب دے کر ایسے سیکڑوں شاعروں کو منظر عام پر لانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

مندرجہ بالا گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ اُردو کسی ایک فرقے کی زبان نہیں بلکہ اُردو بھارت میں جنمی اور ہماری مشترکہ تہذیب وثقافت کی نشانی ہے۔ اس کے فروغ میں جتنی حصے داری مسلمانوں کی ہے، ہندوؤں کا یوگ دان بھی کسی طرح کم نہیں ہے۔ لہٰذا ضروری ہو جاتا ہے کہ جن باکمالوں نے اس زبان کے فروغ میں، اس کی بقا اور ترقی میں حصہ لیا، اُن کے کارناموں کو یاد رکھا جائے، اُنھیں زندہ کیا جائے۔ بقول عطاءاللہ پالوی:

> ''جب انسان کے افکار واعمال ہی اسے زندہ جاوید بناتے ہیں تو جن باکمالوں نے خدمت اُردو میں اپنا خونِ جگر پانی کیا تھا، کیا اُن کے نام اور کام کو زندہ رکھنا ضروری اور مقدس فریضہ نہیں۔ اُردو کے نہ جانے کتنے سخنور اور استاذ کامل زمانے کی بے

توجہی اور غفلت کا شکار بن کر فنا ہو گئے اور آج اُن کا نام اور کام لوگوں کے سامنے نہیں۔ اس خصوصیت میں نہ ہندوؤں کی قید ہے اور نہ مسلمانوں کی۔ دونوں فرقوں کے اصحابِ کمال اور اربابِ کلام اس فروگذاشت سے متاثر ہوئے۔''
(اُردو کے ہندو مثنوی نگار ص ۵۱)

خدا کا شکر ہے کہ اُردو والوں نے تذکرہ نویسی کی ابتدا کر کے ایسا کارنامہ انجام دیا کہ جس کی مثال دیگر زبانوں میں نہیں ملتی۔ تذکرہ نویسی کے آغاز کا سہرا میر تقی میرؔ کے سر ہے جنھوں نے ۱۷۵۲ء میں تذکرہ 'نکات الشعرا' لکھ کر اس کی ابتدا کی جس میں مسلمان کے ساتھ ساتھ ہندو شاعر بھی شامل ہیں۔ تب سے آج تک سیکڑوں تذکرے لکھے جا چکے ہیں اور آج بھی لکھے جا رہے ہیں۔ اُردو کے فطری مزاج کے مطابق ان تذکروں کے لکھنے والے مسلمان بھی ہیں اور ہندو بھی۔ مسلمان نے لکھا تو ہندو شاعروں کا بھی ذکر کیا اور ہندو نے لکھا تو مسلمان شاعروں کا ذکر ضرور کیا۔ ایسے تذکرے بھی لکھے گئے ہیں جو صرف ہندو ادیبوں اور شاعروں کے ذکر پر مشتمل ہیں۔ ان کے لکھنے والوں میں ہندو مصنف بھی ہیں اور مسلمان مصنف بھی ہیں۔ ذیل میں ایسے تذکروں کی فہرست ملاحظہ کیجیے جو صرف ہندو شعرا پر مشتمل ہیں :

(۱)	ید بیضا	غلام ہمدانی مصحفی
(۲)	تذکرہ شعرائے ہنود	دیبی پرساد بشاش
(۳)	اُردو اور ہندو	شیام موہن لال جگر بریلوی
(۴)	ہندو شعرا	عبدالرؤف عشرت
(۵)	اُردو سے ہندوؤں کا تعلق	اجمل جملی
(۶)	بہارِ سخن	شیام سندر لال برق
(۷)	اُردو کے ہندو ادیب	ناظر کاکوروی

(۸)	تذکرہ ہندو شعرائے بہار	فصیح الدین بلخی
(۹)	بنگالی ہندوؤں کی اُردو خدمات	شانتی رنجن بھٹاچاریہ
(۱۰)	دکنی ہندو اور اُردو	نصیر الدین ہاشمی
(۱۱)	دورِ جدید کے چند ہندو شعرا	عبدالشکور بریلوی
(۱۲)	یادِ رفتگاں	شیام موہن لال جگر
(۱۳)	ہندوؤں میں اُردو	رفیق مارہروی
(۱۴)	اُردو کے ہندو شعرا	عبدالسلام خورشید
(۱۵)	بہارِ گلشنِ کشمیر	برج کشور بے خبرؔ
(۱۶)	بہارِ جاوداں	شیام موہن لال جگر
(۱۷)	اُنیسویں صدی کے چند ہندو شعرا	عبدالستار حامد
(۱۸)	کلاسیکل ہندو شعرا	وریندر پرساد سکسینہ بریلوی
(۱۹)	شعرائے ہنود (موج گنگ)	جوہر دیوبندی
(۲۰)	اُردو کے ہندو مثنوی نگار	عطاءاللہ پالوی
(۲۱)	امروہہ کے ہندو شعرا	ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی

کچھ تذکرے ایسے بھی لکھے گئے ہیں کہ جن میں ہندو شعرا کے علاوہ دیگر مذاہب کے شعرا کو بھی شامل کیا گیا ہے جیسے شاداب کی کی کتاب ''غیر مسلم شعرائے بدایوں''۔اسی طرح مسیحی شعرا کی خدمات کو ڈی۔اے۔ہیریسن قربانؔ نے ''اُردو کے مسیحی شعرا لکھ کر اُجاگر کیا۔

متذکرہ بالا تذکرے اس بات کے بھی غمازی کرتے ہیں کہ اُردو کی نشوونما میں ہندو حضرات کی حصہ داری کو کہیں بھی نظر انداز نہیں کیا گیا اور یہی انصاف و دیانت داری کا تقاضہ

بھی ہے۔کئی کارناموں میں تو اوّلیت کا سہرا ہندو حضرات کے ہی سر ہے، مثلاً اُردو کا سب سے پہلا اخبار ''جام جہاں نما'' ۱۸۲۳ء میں منشی سدا سکھ لال نے کلکتہ سے نکالا نے اسی طرح ہندوستان میں فارسی زبان کا پہلا اخبار نکالنے کا سہرا راجا رام موہن رائے کے سر ہے جو ۱۸۲۲ء میں کلکتہ سے ہفتہ روزہ ''مراۃ الاخبار'' نکال رہے تھے۔مختصر یہ کہ اُردو کی ترویج واشاعت اورفروغ کے لیے ہندو حضرات کی خدمات کو نہ تو نظرانداز کیا گیا ہے اور نہ ہی کیا جا سکتا ہے۔

زیر نظر تذکرہ بھی اسی مقصد کے پیش نظر ترتیب دیا گیا ہے۔راقم الحروف نہ تو کوئی ادیب ہے اور نہ ہی کوئی دانش ور بلکہ ادیبوں اور دانشوروں کا خوشہ چیں ہے اور یہ یقین رکھتا ہے کہ جو بزرگ ہے وہ بزرگ ہے، جو باکمال ہے وہ باکمال ہے چاہے ہندو ہو یا مسلمان یا کسی بھی مذہب کا ماننے والا ہو، اُس کی قدر کی جانی چاہیے اور اسی لیے اُن کے کارناموں کو زندہ رکھنا اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے۔

مرادآباد کی تاریخ میں ایسے بہت سے نام ہیں جنھوں بلاتفریق اُردو کے ساتھ ہندی کو بھی اپنے خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنایا مثلاً شاہ غلام مصطفیٰ 'انسان مرادآبادی (م ۱۷۲۵ء) اُردو اور فارسی کے ساتھ ہندی زبان پر بھی دسترس رکھتے تھے۔جیسا کہ شایاں بریلوی نے لکھا:

> شاہ غلام مصطفی۔۔۔عہد عالم گیری میں منصب دار تھے۔سرو آزاد میں لکھا ہے کہ آپ زبان ہندی میں بھی شعر خوب کہتے تھے اور اساتذہ شعرائے ہندی آپ کے کلام کے معترف تھے اور اپنی کتابوں اور دوہوں پر اصلاح لیتے تھے۔

(شعرائے روہیل کھنڈ ج ۴ ص ۲۶۴)

اسی طرح مرادآباد کے مشہور صوفی بزرگ حضرت شاہ بلاقی صاحب، جن کی درگاہ آج بھی قومی یکجہتی کا مرکز بنی ہوئی ہے، نے بھی فارسی اور اُردو کے ساتھ اپنے جذباتِ عقیدت اور

توحید ووحدانیت کو خالص ہندوستانی رنگ وآہنگ میں دوہوں کی شکل میں اس طرح پیش کیا ہے:

مرنے سے سب جگ ڈرے پنچھی اور سب جیو
بولآ سُن نہجو بہیو مرے ملت ہیں پیو

....

بولآ بھولا کیا پھرے من کو کیے اُداس
سائیں من میں یوں بسیں جیوں پھولن میں باس

....

بولآ بھولا کیا پھرے اب بھی تو ٹک چیت
بن جوتے بن باہ دیے بیج نہ لیوت کھیت

....

سارن برہمن موہ ملی کرتے اپنا کاج
اوہ اکھٹ ہوں یوں سنے لیو پی آج پیاج

اسی طرح بہت سے نام ہوں گے جو گردشِ وقت کے ہاتھوں محفوظ نہیں رہ سکے نیز یہ کہ مرادآباد کے پیتل کی چمک نے بھی یہاں کی علم وادب کی شمع کو ماند کر دیا ہے اور کچھ ہماری غفلت کہ ہم اپنے ادبی سرمائے کی حفاظت نہیں کر سکے، کیوں اُس کی اہمیت وعظمت کا ہمیں احساس ہی نہیں رہا۔اس معاملے میں دونوں کا حال ایک جیسا ہے چاہے وہ اُردو والے ہوں یا ہندی والے،مرادآباد کی ادبی تاریخ مرتب کرنے یا اس کی حفاظت کی ضرورت کسی نے محسوس نہیں کی۔ نتیجتاً ہمارا اکثر سرمایہ تلف ہو چکا۔اور مرادآباد کی علمی وادبی تاریخ کا زرّیں باب ہماری نظروں سے اوجھل ہوتا جارہا ہے۔لیکن درآید درست آید کے مصداق گزشتہ چند سالوں میں اس سمت میں کچھ پیش رفت ہوئی اور دونوں زبانوں کے کچھ لوگ اس میدان میں سرگرمِ عمل ہوئے ہیں اُمید ہے کہ کچھ نہ کچھ مثبت نتائج ضرور برآمد ہوں گے۔

احقر اپنی کتاب ''تذکرہ شعرائے مرادآباد'' (ابتدا سے اُنیسویں صدی تک) کی ترتیب وتالیف میں مشغول تھا (جو عنقریب شائع ہونے والی ہے) کہ ڈاکٹر منصور احمد صدیقی صاحب (سابق پرنسپل مسلمہ گرلز ڈگری کالج ۔مرادآباد) نے سیمنار کا دعوت نامہ دیا۔جس کا عنوان تھا ''اُردو کے فروغ میں روہیلکھنڈ کے ہندوؤں کا حصہ''۔احقر کو بھی اس سیمنار میں مقالہ پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ لہٰذا مقالہ لکھنے کا ذہن بنایا تو خیال پیدا ہوا کہ شہر جگر اور دیارِ کیف وقمر میں بھی تو ہندو شاعروں نے اُردو کے فروغ کے لیے کافی خدمات انجام دی ہیں ،کیا ہی اچھا ہو اگر ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک لڑی میں پرو دیا جائے۔لہٰذا کام شروع کیا اور ایک ماہ کی مختصر مدت میں یہ کتاب ترتیب دے کر آپ کے حوالے کی جارہی ہے۔اس کتاب میں پچپن شاعروں کا تذکرہ ہے جن میں سے دو عیسائی ہیں،اسی وجہ سے اس تذکرے کے نام میں ہندو کی جگہ غیر مسلم لکھا گیا ہے۔

راقم الحروف یہ اعتراف کرنا بھی ضروری سمجھتا ہے کہ اپنی کاروباری مصروفیات کے سبب اس کتاب کی ترتیب وتالیف میں اتنی محنت وکوشش نہیں کرسکا جیسا کہ اس کا حق تھا۔یہی وجہ ہے کہ بہت سے شاعر مثلاً سریشور سرن سروے،کیپٹن رویندر نرائن گوتم ، پنڈت احسنؔ وغیرہ اس میں شامل ہونے سے رہ گئے کیوں کہ اُن کے حال واحوال تک رسائی نہیں ہوسکی۔ یہاں تو احقر کے ذخیرۂ کتب میں جو کچھ تھا اور جتنا تھا اُسے یکجا کرنے پر اکتفا کرلیا گیا۔

اطمینان کی بات یہ ہے کہ اس اہم عنوان پر کم از کم ایک خاکہ تو مرتب ہوگیا کہ جس کی توسیع کرتے ہوئے آنے والا محقق ایک مبسوط تحقیقی مقالہ قلم بند کرسکتا ہے۔کیوں کہ آج بھی اچھا خاصا مواد مختلف لائبریریوں کی زینت بنا ہوا ہے۔ضرورت ہے ایک عزم مصمم اور جذبۂ صادق رکھنے والے شخص کی جو اس عنوان سے تحقیقی کام کرسکے۔

اس تذکرے کی ترتیب میں مندرجہ ذیل باتوں کا دھیان رکھا گیا ہے:

(۱) صرف اُنھیں شاعروں کو شامل کیا گیا ہے جن کا ذکر کسی مطبوعہ کتاب میں دستیاب ہوا۔

(۲) شاعر کے تعلق سے اگر کوئی اضافی بات معلوم ہوئی ہے تو اسے بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

(۳) چونکہ تمام شاعروں کی تاریخ ولادت یا تاریخ وفات معلوم نہیں ہوسکی اس لیے ان کی ترتیب حروف تہجی سے قائم کی گئی۔

(۴) اس تذکرے کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ ''اُجالے یادوں کے'' اُن شاعروں کے تذکرے پر مشتمل ہے جو اس دُنیا سے کوچ کر گئے۔ دوسرے حصّے ''روشن چراغ'' میں اُن شاعروں کا ذکر ہے جو آج بھی عروسِ سخن کی زُلفیں سنوارنے میں مشغول ہیں یعنی حیات ہیں۔

(۵) روشن چراغ میں شامل شعرا کرام چونکہ حیات ہیں لہٰذا ان کی ترتیب حروف تہجی کے بجائے ان کی تاریخ پیدائش کے اعتبار سے زمانی رکھی گئی ہے۔

یہ محض رب کائنات کی عطا ہے کہ اس نے مصروفیت کے باوجود وقت میں برکت عطا فرمائی اور اس کتاب کی ترتیب عمل میں آسکی۔ اور یہ بھی اسی کا فضل و کرم ہے کہ احقر کو ایسے مخلص و مہربان احباب کا ساتھ اور بزرگوں کی دُعائیں میسّر ہوئیں کہ جن کی بدولت یہ کام آسان ہوا۔ لیکن ایک مقولہ ہے کہ جو بندوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر گزار نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا سب سے پہلے اُستاذ گرامی ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب (سابق صدر شعبۂ اُردو، مہاراجا ہریش چندر ڈگری کالج) کا شکر گزار ہوں کہ اُنھوں نے اس تذکرے کے لیے حسب حال تاریخی نام ''تذکرۂ زیب چمن'' مرحمت فرمایا۔ مشفق و محترم ڈاکٹر عارف حسن خاں (سابق صدر شعبۂ اُردو، ہندو کالج، مرادآباد) نے دُعاؤں سے نوازا، منصور عثمانی صاحب نے نہ صرف حوصلہ افزائی کی

بلکہ دُعائیہ کلمات بھی قلم بند کرنے کی زحمت گوارا فرمائی۔شہر کے بزرگ شاعر جناب ستیش کمار گپتا فگارؔ مرادآبادی نے میری خاطر بڑی زحمت اُٹھائی اور پیرانہ سالی کے باوجود کئی مرتبہ میرے پاس تشریف لائے اور اپنی محبتوں کا اظہار ایک مضمون کی شکل میں کیا جو شاملِ کتاب ہے۔شری جگن ناتھ اگروال (سابق منیجر پنجاب نیشنل بینک) نے بھگوت سرن ممتازؔ کی کچھ حالات فراہم کیے اور شری کانتی پرساد جی نے دھرما نند زخمی اور کیلاش چندر شیداؔ کے بارے میں معلومات فراہم کیں۔ان حضرات کے علاوہ جناب ضیا ضمیر نے انکت کمار گپتا انکؔ سے متعارف کرایا۔ڈاکٹر کرشن کمار نازؔ صاحب سے فون پر کئی مرتبہ تبادلۂ خیال ہوا۔مرادآباد کے نوجوان عروض داں ڈاکٹر سیّد عظیم الحسن نے اس تذکرے میں شامل اشعار کی پروف ریڈنگ کی ،ڈاکٹر مجاہد فرازؔ صاحب نے دُعاؤں سے نوازا لہٰذا ان تمام ہی حضرات کا شکر گزار ہوں۔

انتہائی کرم فرما اور محسن جناب انجم علی اور جناب اکمل علی کا شکریہ ادا کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ اگر یہ حضرات میری معاونت نہیں فرماتے اور کاروباری مصروفیت سے مہلت نہیں دیتے تو یہ تذکرہ مرتب نہیں ہو سکتا تھا۔

میری اہلیہ عرفیہ وارثی جن کا کبھی خاموش تو کبھی عملی تعاون مجھے تمام ادبی سرگرمیوں میں حاصل رہتا ہے ۔ہمیشہ میری ممد و مددگار رہتی ہیں۔اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ میرے بچوں (علی سعد، ولیہ اور ہادیہ) کی معصوم شرارتیں جب میری یکسوئی میں خلل ڈالتی ہیں تو دل سے دُعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی علم کے زیور سے آراستہ فرمائے۔

آخر میں ایک مرتبہ پھر عرض گزار ہوں کہ یہ کام اُردو ادب کے ایک ادنیٰ طالب علم کی کاوش ہے اور چونکہ یہ کام بہت عجلت میں کیا گیا ہے لہٰذا بہت امکان ہے کہ خامیاں اور کوتاہیاں رہ گئی ہوں گی۔اُمید ہے درگزر فرمائیں گے اور ممنوں رہوں گا اگر اُس غلطی، کمی یا کوتاہی کی

نشاندہی فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کو دور کیا جاسکے۔ملحوظ رہے کہ یہ تذکرہ ہے اور اس کا تعلق تحقیق سے ہے اور تحقیق کا عمل کبھی مکمل نہیں ہوتا یعنی تحقیق کے دروازے کبھی بند نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔لہٰذا اُن تمام حضرات کا ممنون رہوں گا جو اس سلسلے کو آگے بڑھانے میں کسی بھی طرح میرا تعاون فرمائیں گے۔یا نئے نئے مصادر و مآخذ کی نشاندہی فرمائیں گے۔

<u>شیفتۂ سخنورانِ مرادآباد</u>

۲۰۱۵ء

محمد آصف حسین

دیوان کا بازار، مرادآباد

۲۵/دسمبر ۲۰۱۵ء

اُجالے یادوں کے۔۔۔

اُن شاعروں کا تذکرہ جو خود نہیں رہے
لیکن اُن کا ذکر باقی ہے

اثرؔ۔چھبّا لال

مرادآباد میں مرزا داغ دہلوی کے کئی شاگرد تھے۔ان میں ایک نام منشی چھبا لال کا بھی شامل ہے جن کا تخلص اثر تھا۔شایاں بریلوی نے ’گلدستہ نشو ونما‘ ستمبر ۱۹۰۴ء کے حوالے سے مندرجہ ذیل دو شعر لکھے ہیں۔:

دیکھیں گے گر ادھر کو غضب کی ادا سے آپ
لے لیں گے میری جان کو پہلے قضا سے آپ
مرنے میں شک مریضِ جدائی کے تھا نہ کچھ
اچھا ہوا کہ آگئے پہلے قضا سے آپ

(تذکرہ شعرائے روہیل کھنڈ ج ۴ ص ۳۲۵۲)

افسوسؔ مرادآبادی

نام پنڈت رام کمار اور تخلص افسوسؔ وطن کی نسبت سے نام کے ساتھ مرادآبادی کا لاحقہ لگاتے تھے۔شعروشاعری کا ستھرا ذوق رکھتے تھے۔مرادآباد کے معروف شاعر شاگردِ غالبؔ نواب محمود اختر حسان الہند رضوان مرادآبادی کے شاگرد تھے۔کلام دستیاب نہیں ہوسکا۔

(تذکرہ شعرائے روہیل کھنڈ ج ۴ ص ۳۳۸۳)

اندرمنؔ۔ لالہ اندرمن مہاجن

لالہ اندرمن قوم کے ویش مہاجن تھے، مرادآباد کے رہنے والے تھے۔ شعروسخن کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ فن شاعری میں منشی ٹیک چند بہارؔ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ پختہ ذہن کے مذہبی انسان تھے۔ مذہبی علوم پر کافی عبور حاصل تھا لہٰذا مذہبی مناظروں اور بحث ومباحثوں میں بڑی شہرت رکھتے تھے اور بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ اپنے مذہب کی کتابوں اور شاستروں کے علاوہ اسلام اور عیسائیت کی کتابوں کا بھی مطالعہ بھی خوب تھا۔ ۱۸۷۷ء میں وفات ہوئی۔ (شعرائے ہنود)

عطاالله پالوی لکھتے ہیں:

> ''وہ جس طرح سنسکرت اور ہندی کے عالم تھے ویسے ہی عربی وفارسی کے بھی ماہر تھے۔ اُردو تو خیران کے گھر کی لونڈی تھی ہی، مذہبی علوم اور کتب شاستر پر قابل رشک عبور حاصل تھا۔ اپنے عہد کے زبردست مناظر بھی رہے۔۔۔۔۔ اندرمن کا یہ خاص شغف تھا کہ وہ تحریری اور تقریری دونوں طرح بحث وجدال میں حصہ لینے میں پیش پیش رہتے تھے۔''
>
> (اُرو کے ہندو مثنوی نگار از عطاالله پالوی ص ۷۸۔۷۹)

ان کی اکثر تصانیف مذہبی نوعیت کی ہیں جن میں مناظرانہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔ کچھ خاص کتابیں درج ذیل ہیں:

(۱) تحفۂ اسلام (۲) ابطال المخاصمین (۳) حملۂ ہند (۴) صولتِ ہند (۵) صمصامِ ہند (۶) عمادِ ہند (۷) پاداشِ اسلام (۸)، اصولِ دین احمد، وغیرہ ہیں۔

اندرمنؔ نے'' اصولِ دین احمد'' کے نام سے ایک مثنوی لکھی، جس میں علم کا دریا بہادیا ہے۔ نمونے کے طور پر خاک کی تعریف ملاحظہ کیجیے:

جو مشتِ خاکِ رہِ پرماتما ہیں
سمجھتے خاک ہی کو کیمیا ہیں

جو ہیں وہ خاکسارِ حضرت پاک
ہوئے اس واسطے آلودۂ خاک

جو ہووے خاک بیز کوئے دلدار
اُسے ہے خاک سے ہر دم سروکار

جسے زر خاک سے حاصل ہوا ہے
بنے خاک اُس کے حق میں کیمیا ہے

نہ ہرگز خاکساروں سے ہو بدظن
کہ ہووے خاک سے آئینہ روشن

نہ اصلاً خاک پر کر طعن ، بیباک
کہ دُنیا اوّل اور آخر میں ہے خاک

یہ باعث خاک کے ہیں باغِ وبستاں
بدولت خاک کے ہیں کاخ و ایواں

زرِ گل خاک سے آتا ہے بیروں
دبا ہے خاک ہی میں گنجِ قاروں

عیاں ہو خاک سے لعلِ بدخشاں
ہو ظاہر خاک سے یاقوت و رماں

سپردِ خاک ہوتے ہیں خزائن
اسی میں دفن رہتے ہیں دفائن

ہوا ہے قدسیوں کا جا کے افسر
رکھا ہے جس نے اپنا خاک پر سر

بظاہر دیکھ لے اے حق فراموش
کہ دُنیا نے کیا ہے خاک سے جوش

طفیلِ خاک ہے روئیدگی سب
بدولت اس کے ہیں چشمے لبالب

تو خود بھی خاک ہے اے خاک بر سر
غرور اتنا نہ مشتِ خاک پر کر

غرض ہے خاک ہی سے سب جز و کل
سمجھ ہر شے اسی سے بے تأمل

بسملؔ مرادآبادی

باسودیوسہائے نام اور بسملؔ تخلص تھا۔کاشفی مرادآبادی کے شاگرد تھے۔ تذکرہ شعرائے روہیلکھنڈ نے صرف ایک شعر لکھا ہے جو بسملؔ نے ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو منعقد ہونے والے مشاعرے میں پڑھا تھا۔اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ آزادی کے دیوانوں میں شامل رہے ہوں گے۔ملاحظہ کیجیے شعر:

جو کل جیلوں میں جاتے تھے وہ اب جیلوں کے مالک ہیں
خدایا تو نے ہم کو آج اپنی شان دکھلا دی

(شعرائے روہیل کھنڈ ج ۴ ص ۲۷۴۲)

مرادآباد کے بزرگ شاعر جناب اختر عازم کا بیان ہے کہ بسملؔ منڈی بانس میں رہتے تھے۔

بھوکنؔ مرادآبادی

بھوکن سرن نام اور بھوکنؔ تخلص۔شعروسن کے دلدادہ تھے۔شعر گوئی کا بھی ذوق تھا۔شوکت مرادآبادی کے شاگرد تھے،بھٹی محلے میں رہتے تھے۔ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ نے ماہنامہ حیاتِ اُردو جون ۱۹۱۷ء کے حوالے سے ان کا درج ذیل نعتیہ شعر نقل کیا ہے:

تجھ سا دُنیا میں نہ کوئی یکتا دیکھا
ایسا اللہ کے بندوں میں نہ بندہ دیکھا

(ہمارے رسول ص ۲۹۴)

بیتاؔب مرادآبادی

نام کشن کمار اور تخلص بیتاؔب تھا۔ حسان الہند نواب محمود اختر رضوان مرادآبادی کے شاگرد تھے۔ کلام دستیاب نہیں ہوسکا۔ (شعرائے روہیل کھنڈ ج ۴ ص ۳۳۸۴)

بیدل۔ مرادآبادی

منگل سرن نام اور بیدل تخلص تھا۔ میونسپل بورڈ مرادآباد میں اکاؤنٹینٹ تھے۔ کاشفؔ مرادآبادی کے شاگرد تھے۔ صاحب دیوان شاعر تھے۔ ان کا دیوان 'گل صد برگ' کے نام سے ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا تھا۔

نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیں:

فنا ہو کر غمِ ہستی کو عیشِ جاوداں کرلوں
مدد! اے ذوقِ آزادی، قفس کو آشیاں کرلوں
سرگرداں نظر آتی ہے بیدلؔ جب تجلّی تو
یہی کہتا ہے دل اس کو چراغِ آشیاں کرلوں

(شعرائے روہیل کھنڈ ج ۴ ص ۲۷۴۳)

پیتم رائے

پیتم رائے کا تخلص بھی پیتم تھا۔ راجا کشن کمار وقاؔر کے پیشکار تھے۔ راجا صاحب کی علمی وادبی سرگرمیوں میں ممدومعاون رہتے تھے۔ اعلیٰ ادبی ذوق رکھتے تھے۔ منشی انوار حسین تسلیم سہسوانی کے شاگرد تھے۔ نظم ونثر دونوں میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ ان کے ادبی کارناموں کی کوئی تفصیل دستیاب نہیں ہوسکی البتہ ان کی ترتیب دی ہوئی ایک کتاب ''مدیحیہ وقار'' راقم الحروف کے ذخیرۂ کتب میں موجود ہے جس میں کشن کمار وقاؔر کے جشن تاج پوشی کے وقت مختلف شعرا کرام کے ذریعے کہے گئے قصائد جمع کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب ۱۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ جو ۱۸۹۱ء میں شایع ہوئی تھی۔ پیتم رائے کا کوئی شعر دستیاب نہیں ہوسکا۔ البتہ ان کی نثر کا نمونہ متذکرہ کتاب سے ملاحظہ کیجیے:

''جو الفاظ ستایش و نیائش میں آفرینندۂ ہر دو عالم کے آئیں وہ محمود ہیں۔ جو حروف تعریف میں اُس کے برگزیدوں کی صورت دکھائیں وہ ستودہ ہیں۔ خیل نوری وکردہ ناری وفرقہ خاکی میں بے حد واحصار افضل واجمل واکمل گذرے۔ سو ہزار میں سے ایک بھی وادی کُنہ خالق کو طے نہ کرسکا، بلکہ نارسائی ذہن کا معترف ہوا۔ انصاف شرط مجھ سا انسان ضعیف البنیان کہ نہ باوتا سے آشنائی رکھتا ہے، نہ حاوخا سے شناسائی، اُس کی حمد وثنا میں اگر تحریر کو وسعت دے یا تقریر سے کام لے، یہ ہرزہ درائی میں داخل ہو اور وہ بیہودہ سرائی میں شامل ہو۔ عبدیت بصد عجز و ہزار انکساریوں نفس گزار ہے کہ اس بزم میں خاموشی گویائی سے اعلیٰ و بالا ہے۔ بہر پہلوئے سخن اسی میں بول بالا ہے۔ امابعد خاکپائے ناثرانِ عالی مقام وشاعرانِ شیریں کلام کمترین کافہ انام پیتم رائے نام ملازم سرکار ابدقرار دریادل ابر کرم رشک قاآنی وحاتم راجہ کشن کمار متخلص بہ وقار سلّمہٗ۔'' (مدیحیہ وقار ص ۲۔۳)

تمکینؔ مرادآبادی

گروسروپ نام اور تمکین تخلص تھا۔ شاعری میں کاشفؔ مرادآبادی کے شاگرد تھے۔ درس وتدریس کے پیشے سے وابستہ تھے۔ مشن کالج مردآباد میں پڑھاتے تھے۔ صرف ایک شعر دستیاب ہوسکا جو حاضرِ خدمت ہے:

ہو جو تکلیف میں جانے وہی راحت کا مزہ
کیا وہ جانے جو حقیقت سے خبردار نہ ہو

(شعرائے روہیل کھنڈ ج ۴ ص ۲۷۴۳)

چندر مرادآبادی

سریش چندر شرما نام اور چندر تخلص تھا۔ والد کا نام پنڈت گنگا سہائے شرما۔ مرادآباد کے محلہ کسرول کے رہنے والے تھے۔ ابر احسنی کے چہیتے شاگردوں میں شامل تھے۔

عرفان عباسی نے اپنی کتاب ''آپ تھے'' میں ان کا ذکر اس طرح کیا ہے:

''متناسب قامت، چھریرا بدن، دیدہ زیب خط وخال، شگفتہ پیشانی، گھنے ابرو، متوسط، نرم وذہین آنکھیں، چھوٹی گول پانسے والی ناک، پتلا چہرہ، رخساروں کی ہڈیاں اُبھری، قرینے سے تراشی ہوئی ہلکی مونچھیں، متبسم دہانہ، سر پر انگریزی تراش کے بال، جسم پر صاف ستھری پوشش، مزاجاً خلیق ومتواضع، متین وسنجیدہ، شریف النفس ومنکسر، دوستوں کے دوست، رفیقوں کے رفیق، شعروادب کے شایق اور شاعر۔ یہ تھے سریش چندر شرما چندر مرادآبادی۔

آنجہانی پنڈت گنگا سہائے شرما کے گھر ۲۵ر جولائی ۱۹۳۵ء کو مرادآباد میں پیدا ہوئے۔ وہیں تعلیم وتربیت حاصل کرنے کے بعد کسب معاش کے لیے محکمہ ریلویز میں ملازمت کرلی اور لوکوشیڈ مرادآباد کے دفتر میں خدماتِ منصبی انجام دیتے رہے۔

شعروسخن سے فطری اور والہانہ لگاؤ تھا۔ شعور کی منزلوں میں قدم رکھتے ہی غوغاں کرنے لگے، استاد کی فکر ہوئی تو اپنے وقت کے کثیر التلامذہ شاعر احمد بخش صاحب ابر احسنی گنوری سے متاثر ہوئے اور اُنھی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

چندر خوش کلام اور ذہین شاعر تھے۔ مشاعروں کے ہنگاموں سے دور، نام ونمود کی فکر سے بے نیاز، تسکین ذوق کے لیے شعر کہتے تھے۔ اور احباب کی نجی محفلوں میں شعرخوانی کرکے داد پاتے تھے۔ اپنا دیوان خود ترتیب دیا تھا لیکن وہ ان کی زندگی میں شائع نہ ہوسکا۔ آخر عمر میں چند حادثات نے دل شکستہ

کردیا تھااور وہ بجھ سے گئے تھے ۔تقریباً پچاس سال کی عمر میں ۸/اپریل ۱۹۸۴ءکوموت سے ہمکنار ہوئے۔‘‘(’’آپ تھے‘‘ص۱۰۸)

جو کچھ کلام دستیاب ہوسکا وہ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے:

●

آرزو مسرت کی بخشتی ہے لاکھوں غم
اب نہ آئیں گے ہرگز ہم خوشی کے دھوکے میں

●

ہر ایک ہاتھ میں خنجر دکھائی دیتا ہے
ہر ایک شخص سکندر دکھائی دیتا ہے

شکستہ پا ہو مگر چند گام اور سہی
وہ دیکھو میل کا پتھر دکھائی دیتا ہے

نہ کوئی غم نہ خوشی زندگی سے وابستہ
جنوں تو ہوش سے بہتر دکھائی دیتا ہے

وہ ایک سایہ ہے ، مجھ سے مگر قریب نہیں
حصارِ زیست سے باہر دکھائی دیتا ہے

اُفق پہ دور بہت دور ایک ہالا سا
ہمیں تو چندرؔ اب اکثر دکھائی دیتا ہے

●

جو لوگ صلیبوں کی طرف آئے ہوئے ہیں
لگتا ہے کسی شخص کے بہکائے ہوئے ہیں

ہم لوگ تو زندہ ہیں مگر مردوں کی مانند
روحوں سے کفن یاد کے لپٹائے ہوئے ہیں

کیسے تری آواز میں آواز ملادیں
ہم لوگ کہ پتھر کی زباں پائے ہوئے ہیں

اے شہر کے ہنگاموں ہمیں بھی تو سمیٹو
تنہائی سے ہم لوگ بھی گھبرائے ہوئے ہیں

تصویر میں تصویر سا کچھ بھی نہیں باقی
تصویر کو ہم رنگ سے چمکائے ہوئے ہیں

ہر روز اُگائیں گے زمیں سے نیا سورج
ہم چندرؔ اُجالوں کی قسم کھائے ہوئے ہیں

●

اک موڑ پر جب آپ بھی رستہ بدل گئے
ٹھوکر تو ہم نے کھائی تھی لیکن سنبھل گئے

کتنی کڑی ہے دھوپ گرانی کی ان دنوں
پتھر کا جسم ہوتے ہوئے بھی پگھل گئے

دھرتی تک آسکی نہ کرن آفتاب کی
سورج کی روشنی کو اندھیرے نگل گئے

الفاظ کا کمال ہے الفاظ کا کمال
حالات اُن کے میرے فسانے میں ڈھل گئے

اب تک تو دوسروں کے لیے سوچتے رہے
اے چندؔر! اب ہمارے ارادے بدل گئے

●

کھو گئے بھیڑ میں سب ہاتھ بٹانے والے
رہ گئے صرف ہمیں بوجھ اُٹھانے والے

ساتھ چلنے کے لیے کوئی بھی تیّار نہیں
دور سے کتنے ملے راہ بتانے والے

اپنے کردار کو خود بھول گئے ہیں شاید
میرے کردار کو آئینہ دکھانے والے

ہم ہی ہوتے ہیں کوئی اور نہیں ہوتے ہیں
اپنے ہاتھوں کی لکیروں کے بنانے والے

داستاں کوئی نئی یاد نہیں ہے تجھ کو
یہ تو میری ہی کہانی ہے سنانے والے

درگؔج مرادآبادی

ابرؔ احسنی گنوری کے حلقۂ تلامذہ میں مرادآباد کے کئی شاعر شامل تھے۔اُن میں ایک نام آنجہانی اوم پرکاش درگج کا بھی شامل ہے۔درگج صاحب محلہ کٹگھر کے ہولی کا میدان میں رہتے تھے۔اُردو اچھی طرح لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔مقامی اسکول میں ہیڈ ماسٹر کے عہدے سے سبکدوش ہوئے تھے۔ڈاکٹر کرشن کمار ناز کا بیان ہے کہ بچّوں کے ادب میں خاص دلچسپی تھی لہٰذا بچوں کے لیے خوب لکھتے تھے۔شہابؔ مرادآبادی کا بیان ہے کہ بچوں کے لیے ان کی نظمیں 'گھڑی' اور 'سرکس' بہت پسند کی جاتی تھیں۔اُردو زبان اور علم عروض کے ساتھ ساتھ ہندی زبان اور اس کے چھند ودھان پر عبور حاصل تھا۔غالباً ۱۹۹۶ء میں راہی ملک عدم ہوئے۔افسوس کے کوئی کلام دستیاب نہیں ہوسکا۔

دت رام دتّؔ

پنڈت دت رام کا تخلص دتّؔ اور والد کا نام بھوانی داس تھا۔امیر مینائی کا بیان ہے کہ ان کی پیدائش مرادآباد میں ہوئی مگر جب یہ چار برس کے تھے تو ان کے والد انھیں ریاست رام پور لے گئے تھے۔لہٰذا ان کی تعلیم وتربیت رام پور میں ہوئی۔خوشحال رائے خوشحالؔ کبشیر ساکن بریلی سے شاعری میں تلمذ حاصل تھا۔دربار رام پور میں ملازم تھے۔اپنے افسران اور برابر کے لوگوں میں بھی عزت وتوقیر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔امیر مینائی نے تذکرے کی تالیف کے وقت ان کی عمر اکسٹھ برس لکھی ہے۔جب کہ انتخاب یادگار کی سن تالیف ۱۸۸۰ء ہے لہٰذا دتؔ رام کی پیدائش ۱۸۲۷ء میں ہوئی ہوگی۔ (انتخاب یادگار۔ص:۱۳۲)

داسؔ مرادآبادی

نروتم داس گپتا نام اور داسؔ تخلص تھا۔ کاشفی مرادآبادی کے شاگرد تھے۔ مرادآباد کے بازار شاہی میں رہتے تھے (جسے اب برتن بازار کہا جاتا ہے) اکثر ادبی نشستوں میں شرکت کرتے تھے (تذکرہ شعرائے روہیلکھنڈ ج ۴ ص ۴۴۷ ۲)

نروتم داسؔ کا کلام اخبارات و رسائل میں شائع ہوتا تھا۔ ۱۹۳۰ء میں مرادآباد میں ایک طرحی انعامی مشاعرہ منعقد ہوا تھا جس میں نروتم داسؔ نے درج ذیل خمسہ پڑھا تھا۔ جس کے ہر ہر مصرعے سے تصوف کا رنگ عیاں ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

بحرِ زُخار نہ ہو وادی و کہسار نہ ہو دشت و گلزار نہ ہو خلقتِ جاندار نہ ہو
ارض اور ارض پہ یہ چرخِ بداطوار نہ ہو نیستی صورتِ ہستی میں نمودار نہ ہو
ضوفشاں کُن سے اگر شعلۂ انوار نہ ہو

ہے یہی عشقِ حقیقی کا حقیقت میں پتہ خودبخود آنے لگے لب پہ اناالحق کی صدا
عشقِ منصور سے یہ راز حقیقت کا کھلا بیخودِ عشق ہو اتنا کہ تو بن جائے خدا
عشق وہ عشق نہیں جس کا ثمر دار نہ ہو

میٹھا میٹھا سا مرے درد جو پہلو میں اُٹھا یاد تازہ ہوئی دل ماہی بے آب ہوا
شوقِ دیدار نے گھر میں مجھے رہنے نہ دیا المدد ضبط کہ رکھنا ہے تجھی کو پردا
بیخودی میری کہیں کاشفِ اسرار نہ ہو

حاصلِ کوتہ نگاہی ہے سدا ناکامی رنج و افسوس کا سرچشمہ ہے کوتہ نظری
پاؤں پھیلائے زیادہ نہ ردا سے اپنی داسؔ انساں ہو جو مرہونِ مآل اندیشی
اس کا انجام ندامت کا سزاوار نہ ہو

ان کہ یہ خمسہ بہت پسند کیا گیا اور انھیں سلور میڈل حاصل ہوا تھا۔ قاضی عبدالعلی عابدؔ نے لکھا ہے کہ اس خمسے سے ان کا استغراقِ فن اور رنگِ توحید ظاہر ہوتا ہے۔
(تحریک آزادی اور مخبر عالم از امداد صابری ص ۲۲۲)

ذوقی رام ذوقیؔ

ذوقی رام رند مشرب شخص تھے،عطر فروشی کا کام کرتے تھے۔تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ بے نواؤں یعنی غریبوں اور مفلسوں کے حال میں کوچہ و بازار میں گھومتے پھرتے تھے ۔بالخصوص ہولی کے ایام میں گلی محلوں میں بہ آواز بلند شعر پڑھتے پھرتے تھے۔لیکن جس طرح تذکرہ نگاروں نے ان کا ذکر کیا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعری میں اپنا مقام رکھتے تھے

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہؔ نے اپنے تذکرے ''گلشنِ بے خار'' میں لکھا ہے کہ:

''از مراد آباد است ۔نسبتِ شاگردی بہ ذکیؔ مہدی علی دارد۔بسر بر داوقاتش بعطر فروختن است ۔گویند در موسمِ ہولی کہ زمانِ عشرت ہندیان است ۔بتقلید فرقۂ بےنوایاں در کوچہ و بازار اشعار می خواند۔او راست:(گلشنِ بے خار۔ص ۸۴)

ملنے سے تصور میں کچھ کم نہ مزا دیکھا

گروہ نہ ہوا اس کی تصویر ہے اور میں ہوں''

''(**ترجمہ**:ذوقی تخلص اور نام ذوقی رام ہے ۔مراد آباد کا رہنے والا ہے۔ذکی مہدی علی کا شاگرد ہے،عطر فروشی سے بسر اوقات کرتا ہے۔کہتے ہیں کہ ہولی کے دنوں میں کہ جو ہندوستان کے لوگوں میں موج و مستی کا زمانہ ہے،غربا کے طبقے کی تقلید میں گلی بازر میں اشعار پڑھتا ہے۔''(گلشنِ بے خار۔ص ۱۷۴ مترجمہ حمیدہ خاتون)

گلستانِ بےخزاں میں ہے کہ:

''ذوقیؔ تخلص لالہ ذوقی رام نام مراد آبادی۔شاخ سخن بصلاحِ شجرۂ فکر شیخ مہدی علی ذکیؔ پیوند عمر گرانمایہ بذریعہ عطر فروشی بسر کر کے ایام ہولی میں مقلد گروہ بینوایاں ہو کر خورسند عطر سخن شیشے کاغذ میں دماغ افروز سامعین ۔خط الف اللہ سے روشن ان کی جبین۔مجموعہ سخن عنبر بیز چیلا مضمون کا بہت تیز ہے۔''

زیادہ تر تذکرہ نگاروں نے یکساں بیان نقل کیا البتہ اسپرنگر کے بیان سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ذوقی رام ذوقی غزلوں کے ساتھ ساتھ زیادہ تر ہولی کے موقعے پر نظمیں بھی کہا کرتے تھے۔

تقریباً تمام ہی تذکرہ نگاروں نے ذوقیؔ کا درج بالا شعر نقل کیا ہے۔البتہ شایاں بریلوی نے لالہ سری رام کے تذکرہ خم خانۂ جاوید کے حوالے سے درج ذیل شعر نقل کیا ہے:

یوں ریختہ کہنے کو عالم میں ہزاروں ہیں
بدنام پر اے ذوقیؔ اک میرؔ ہے اور میں ہوں

(شعرائے روہیل کھنڈ ج ۴ ص ۲۹۳ بحوالہ خم خانہ جاوید ج ۲)

دیبی پرشاد ربطؔ

نام دیبی پرشاد اور تخلص ربطؔ والد کا نام منشی موہن لال تھا۔ کایستھ قوم کے قبیلے بھٹناگر کے فرد تھے لہٰذا شعر وسخن کا ذوق ورثے میں ملا تھا۔ بڑے بھائی کنہیّا لال ضبطؔ بھی شاعر تھے۔ ۱۸۸۰ء میں عدالت دیوانی ضلع مرادآباد میں پیشکار تھے۔ مرادآباد کے مشہور شاعر ملک الشعرا شیخ مہدی علی خاں ذکیؔ کے خاص شاگردوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ بڑے ذکی، فہیم اور نکتہ سنج تھے۔ (تذکرہ شعرائے ہنود۔ص ۱۶۳)

دستیاب کلام ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

●

اجل بھی تو نہیں آتی برا ہو سخت جانی کا
الم کب تک اُٹھائیں یار کی نامہربانی کا

یہی ہیں لذّتیں تو ہے یقیں کیا کیا نہ روئینگے
اگر یاد آئے گا پیری میں عالم نوجوانی کا

نہیں وہ شرمگیں ہر عضو کو دزدیدہ تکتے ہیں
ہوا ہے عشق اُن کو آپ اپنی ہی جوانی کا

اُٹھا کر آنکھ بھی حوروں کو جنت میں نہ دیکھیں گے
رہا دھڑکا جو ایسا ہی کسی کی بدگمانی کا

نہ پوچھ اے ربطؔ حالِ دِل غضب میں جان آئی ہے
برا ہو عشق کا یارب بھلا ہو نوجوانی کا

●

جومصرع ایک ہے عشوہ تو غمزہ ایک مصرع ہے
تمہاری شانِ محبوبی عجب دلچسپ مطلع ہے

جہاں ہے وہ قصیدہ پُر مضامیں حمدِ باری کا
ازل مطلع ہے جس کا اور ابد جس کا کہ مقطع ہے

مشابہ ہے مگر اس میں کہاں ہے یہ دِل آویزی
ثریا کیا ہے جو کچھ آپ کا جھومر مرصع ہے

اداو عشوہ ،نازو غمزہ ہیں یہ چار رُکن اِس کے
قدِ موزونِ جاناں بھی عجب برجستہ مصرع ہے

اُسی کے ہیں یہ سب نقش ونگار اے ربط کھول آنکھیں
مصور ہے وہ ممدوحِ زماں عالم مرقع ہے

●

رباعی

ہر طرح سے آپ تو ستائیں کیا خوب
ہم شکوہ زبان پر نہ لائیں کیا خوب
دیں گالیاں آپ ہم ہنسی میں ٹالیں
اور آپ ہنسی میں روٹھ جائیں کیا خوب

●

توڑ کر بیٹھ رہوں کوئے دلارام میں پاؤں
تا کہ پھر اُٹھ نہ سکیں گردشِ ایام میں پاؤں

آ گیا ہجر میں پہلو سے نکل کر باہر
بیقراری نے لگائے دلِ ناکام میں پاؤں

دربدر پھرتے ہیں اب عشق کے ہاتھوں سے تباہ
گھر سے رکھتے نہ تھے باہر جو کسی کام میں پاؤں

میں وہ بُلبل ہوں کہ جب فصل گل آئی سر پر
پھنس گیا گردشِ دوراں سے مرادام میں پاؤں

رہ گئی دید کی ہیہات تمنا اے ربطؔ
سر کٹا رکھتے ہیں کوئے بتِ خود کام میں پاؤں

(خمخانۂ جاوید-لالہ سری رام جلد ۳/ص ۳۶۲)

رحیفؔ / رفعتؔ مرادآبادی

عطااللہ پالوی نے اپنی کتاب ''اُردو کے ہندو مثنوی نگار'' میں منشی منولال رفعت کے نام سے درج ذیل اشعار نقل کیے ہیں، (اُردو کے ہندو مثنوی نگار ص ۱۲۶)

جب کہ تذکرہ شعرائے روہیلکھنڈ کے مصنف شایاں بریلوی نے منشی لال شری واستو تخلص رحیفؔ کے نام سے یہ اشعار نقل کیے ہیں۔ (شعرائے روہیل کھنڈ ج ۴ ص ۲۶۸۲)

البتہ دونوں تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ شاعر مرادآباد کے ڈپٹی انسپکٹر آف اسکول تھے اور اُنھوں نے یہ اشعار پند و نصائح پر مشتمل اپنی مثنوی ''مفید الدہر'' میں نظم کیے ہیں۔

عدل سے آپ کو ، تہی مت کر
عدل سے آپ ، کو تہی مت کر
رہِ انصاف سر کے بل ، سر کر
رہِ انصاف میں ، فدا سر کر
عدل کر ، عدل کر ، نہ کر بیداد
مخلصی ہے نہ حشر میں ، بیداد

مندرجہ بالا اشعار دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مثنوی صنعتِ تجنیس میں نظم کی گئی ہے جو شاعر کی قادرالکلامی کی اور فنی مہارت کی مظہر ہے۔ غالباً بچوں کو ہم جنس الفاظ سکھانے کی غرض سے یہ مثنوی تخلیق کی گئی ہوگی۔

منشی بہاری لال رمزؔ

لالہ سری رام نے لکھا ہے منشی بہاری لال رمز مرادآبادی اچھی علمی استعداد رکھتے تھے نیز یہ کہ تذکرہ ''خم خانۂ جاوید جلد ۲ کی تالیف کے وقت ان کو مشق سخن کرتے ہوئے بارہ پندرہ برس گزر چکے تھے۔ منشی امیر اللہ تسلیم لکھنوی کے عقیدت منداور وفادار شاگردوں میں شامل تھے خوش فکراور ذہین تھےاورانھیں خوبیوں کی بناپراپنے ساتھ کے شاعروں میں بھی ممتاز سمجھے جاتے تھے۔۱۹۱۶ء میں وفات ہوئی۔

دستیاب کلام ذیل میں پیش کیا جارہاہے:

ہائے پتھرا گئیں آنکھیں مری تکتے تکتے
دمِ آخر بھی نہ وہ شوخ ستم گر آیا

●

کب روح کو فنا ہے بدن کی فنا کے ساتھ
پستا کہاں ہے رنگ حنا کا حنا کے ساتھ

دل کی لگی بھڑکتی ہے آہِ رسا کے ساتھ
اُٹھتے ہیں جیسے آگ کے شعلے ہوا کے ساتھ

پازیب کی صدا ہے تمہاری کہ روزِ حشر
فتنے ہزاروں اُٹھتے ہیں آوازِ پا کے ساتھ

(تذکرہ شعرائے ہنود)

●

رمزؔ اب روتے ہو کیا دل کو جگر کے سامنے
کیوں گئے سینہ سپر تیر نظر کے سامنے

●

اک وار میں دو ٹکڑے کیے دل کے جگر کے
قائل ہیں ہم اُس جوہر شمشیر نظر کے

دیکھا نہ کبھی پیار کی نظروں سے اِدھر حیف
مجھ کو نہ دیا آپ نے ساغر کوئی بھر کے

کم سن ہے کہیں سہم نہ جائے وہ دمِ قتل
اے زُلف تو آجا رُخِ قاتل پہ بکھر کے

●

کلیجے سے لگا کر کیوں نہ رکھوں
یہ داغِ دل مجھے اُس نے دیا ہے

●

اے رمزؔ تیرِ یار نشانی سے کم نہیں
پہلوئے دل میں رکھیے لگا کر جگر سے آپ

(تذکرہ شعراے روہیل کھنڈ ج ۴ ص ۵۶ ۳۳)

زارؔ مرادآبادی

نام چھوٹے لال اور تخلص زارؔ جناب طریق کندرکوی کے شاگرد تھے۔ کلام دستیاب نہیں ہوسکا۔ (تذکرہ شعرائے روہیل کھنڈ ج ۴ ص ۳۲۱۰)

زخمی مرادآبادی

نام دھرمانند اور تخلص زخمی تھا۔ علامہ بدر جلالی کے خاص شاگردوں میں تھے۔ ۱۹۷۲ء میں وفات ہوئی۔ (تذکرہ شعرائے روہیل کھنڈ ج ۴ ص ۲۹۷۰)

قوم کے کایستھ بھٹناگر تھے۔ دیوان کے بازار میں کرانہ کی دوکان تھی۔ محلہ کسرول میں رانی کے پھاٹک کے پاس رہتے تھے۔ کلام دستیاب نہیں ہوسکا۔

شاؔد مرادآبادی

پنڈت رام پرشاد مرادآباد کے ایک ممتاز برہمن خاندان میں پیدا ہوئے۔ جناب شوؔر مرادآبادی کے شاگرد تھے۔ زبان وبیان پر خوب دسترس حاصل تھی۔ ادب کی جملہ اصناف میں دسترس رکھتے تھے۔

ابتدا سے ہی اُردو شاعروں کا یہ مزاج رہا ہے کہ وہ روایتی طور پر ایک نعت ضرور کہتے ہیں اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ لہٰذا پنڈت رام پرشاد شاؔد نے بھی ایک روایتی نعت کہی۔ ملاحظہ کیجیے نعت کا ایک شعر::

اللہ رے اُس روضۂ اقدس کا تزین
قربان ہوئی جاتی ہیں آنکھیں بھی نظر بھی

(ہمارے رسول ص)

نظم در مدح کرشن جی:

مندرجہ ذیل بند پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ وید پرکاش شاؔد ایک مذہبی انسان تھے، روحانیت یعنی ادھیاتم کی طرف مائل تھے۔ وہ شری کرشن کو کاشفِ رازِ حقیقت تسلیم کرتے تھے۔ نیز اس نظم میں مستعمل لفظیات خوابِ عدم، نقشِ دوئی، راہِ حقیقت، رازِ حقیقت وغیرہ کا استعمال اس بات کا بھی غماز ہے کہ وہ تصوف یعنی صوفی ازم کے فلسفے سے بھی اچھی طرح واقف تھے؛ ملاحظہ کیجیے:

وہ کون تھا جو خوابِ عدم سے جگا گیا
وہ کون تھا جو نقشِ دوئی کو مٹا گیا
وہ کون تھا جو راہِ حقیقت بتا گیا
وہ کون تھا جو وید کا امرت پلا گیا

جلوہ نمائے رازِ حقیقت کرشن جی
پردہ کشائے رازِ حقیقت کرشن جی
حاضر درِ حضور پہ ہے شآدِ بے نوا
یعنی کہ مدح گوئی کا اس کو ملے صلا
یہ تاب یہ مجال کہاں ہے اسے بھلا
تعریف کا جو حق ہے اُسے کر سکے ادا
جلوہ نمائے رازِ حقیقت کرشن جی
پردہ کشائے رازِ حقیقت کرشن جی

(تذکرہ شعرائے روہیل کھنڈ ج ۴ ص ۳۳۷)

شاد مرادآبادی

وید پرکاش نام اور شاد تخلص۔ وطن کی نسبت سے مرادآبادی کا لاحقہ لگاتے تھے۔ ۱۹۳۰ء میں پیدا ہوئے۔ ایم اے ایل ایل بی کرنے کے بعد درس وتدریس سے وابستہ ہوئے ڈی اے وی کالج بلندشہر میں پروفیسر رہے۔ مرزا جالب مرادآبادی کے شاگرد تھے۔ غزل کے علاوہ نظم گوئی میں بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ کلام ملاحظہ کیجیے:

زاہدو! تم تو بڑے کہنہ شرابی نکلے
لب کوثر بھی گرے یوں کہ سنبھالے نہ گئے

نظم برسات کی گھٹا

آسماں سے کیف برساتی گھٹا برسات کی
کروٹیں لیتی وہ بل کھاتی گھٹا برسات کی

(شعرائے روہیلکھنڈ ج ۴ ص ۲۷۵۰)

رادھا کشن شُکرؔ

منشی رادھا کشن ولد لالہ فتح چند کایستھ۔ مرادآباد کے رہنے والے تھے۔تذکرہ عمدہ منتخبہ میں لکھا ہے کہ آپ جواں رفیق وعمدۂ روزگار اور انسان خلیق وستودہ شعار تھے۔ سرکار انگریزی کی ملازمت میں اچھے عہدوں پر فائز رہے اور عزت سے زندگی بسر کی۔انھوں نے اُس وقت تک دیوان جمع نہیں کیا تھا لیکن ان کا کلام داد وتحسین کا مستحق تھا یعنی اچھا شعر کہتے تھے۔(شعرائے روہیل کھنڈ ج ۴ ص ۱۲۶۸۳ بحوالہ عمدۂ منتخبہ وتذکرہ شعرائے ہنود)

خیراتی لعل بے جگر نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ:

''درایامِ قیام بمیرٹھ فی سنہ یک ہزار ودوصدوسی وہشت ہجری......دیدمش کہ جوانیست انیق وعمدہ روزگار وانسانے خلیق وستودہ شعار............''

(شعرائے اُردو کے تذکرے۔ص ۵۶۸،بحوالہ تذکرۂ بے جگر از خیراتی لعل بے جگر)

(یعنی مولف تذکرہ نے ان کو ۱۲۳۸ھ میں میرٹھ میں دیکھا تھا۔وہ جوان، رفیق یعنی ہمدرد، عمدۂ روزگار، خلیق اور ستودہ شعار انسان تھے)

متعدد تذکروں میں تلاش وجستجو کے بعد مندرجہ ذیل دو شعر دستیاب ہو سکے۔ان میں سے بھی پہلا شعر اکثر تذکرہ نگاروں نے نقل کیا ہے جب کی دوسرا شعر صرف ایک ہی تذکرے میں نظر سے گزرا۔ملاحظہ کیجیے:

دیکھ تو اے چشم، سیلِ اشک طغیانی میں ہے
گھر سنبھال اپنا کہ دیوارِ مژہ پانی میں ہے
یارو دیوانے کی بے برگی ہی بس سامان ہے
اک لباسِ آبرو گوہر کی عریانی میں ہے

تذکرہ گلستانِ بے خزاں میں شُکر کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''شکر تخلص لالہ رادھا کشن نام مرادآباد اِن کا جائے مسکن وقیام۔ برہمن سخن بتکدۂ کاغذ میں اصنام مضمون کی پوجا کرتے ہیں۔ پوجاری فکر کا مشاعرے کے مندر میں بتانِ مضمون کے پانوں پر خدا واسطے سر دھرتا ہے، شکر ہے نہ شکایت۔ شکایت کیا شکر کی حکایت۔'' (گلستانِ بے خزاں ۔ص ۱۲۳)

شمس مرادآبادی

منشی نرائن سنگھ قوم کے کھتری تھے مرادآباد کے رہنے والے تھے، بجنور میں ملازمت کرتے تھے۔ تذکرہ گلشنِ ہمیشہ بہار کے مطابق آپ مرد با اخلاق تھے۔ ان کے کلام سے موحدانہ رنگ جھلکتا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تصوف کی طرف مائل تھے۔ مؤلف تذکرہ گلشن ہمیشہ بہار مؤلفہ ۱۸۶۰ء کے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔

نمونہ کلام ملاحظہ کیجیے:

پڑ گیا ہے ابر غفلت سے حجاب
چھپ رہا ہے اس بشر میں آفتاب
غیرِ دریا کچھ نہیں موجِ حباب
عین دریا جانِ امواج حباب

(شعرائے روہیل کھنڈ ج ۴ ص ۱۷۱۔۲۶ بحوالہ گلشنِ ہمیشہ بہار ص ۲۰۶)

شوقؔ مرادآبادی

لالہ جگدیش لال رُتشی تخلص شوقؔ مرادآباد کے رہنے والے تھے۔ان کے حالات نہیں مل سکے۔ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ نے اپنی کتاب 'ہمارے رسول' میں ان کی درج ذیل نعت درج کی ہے، جو کہ ایک رسمی نعت ہے۔لیکن اس سے یہ اندازہ تو بآسانی لگایا جاسکتا ہے کہ اُنھوں نے تاریخِ اسلام کا مطالعہ ضرور کیا ہوگا۔

سرچشمۂ انوار ہے مینارِ مدینہ
صد زینتِ کونین ہے دربارِ مدینہ

تہذیب وتمدن کو نیا رنگ ملا ہے
دُنیا میں ضیا بار ہیں انوارِ مدینہ

اک اشکِ ندامت کے عوض گلشنِ جنت
کیا خوب ہے سودا سرِ بازارِ مدینہ

ہے تکملۂ عشق مرا جذبۂ ایماں
میں چڑھ کے کہوں دار پہ سرکارِ مدینہ

ہو سر پہ مرے دستِ مبارک دمِ آخر
ہے شوق بھی دُنیا میں طلب گارِ مدینہ

(ہمارے رسول ص ۶۲۲)

شیداؔ مرادآبادی

نام کیلاش چندر اور شیداؔ تخلص تھا۔ بدر جلالی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔
(شعرائے روہیل کھنڈ ج ۴ ص ۲۹۷۰)

شیداؔ محلہ کسرول میں دھرما نند زخمی کے پڑوس میں رانی کے پھاٹک میں رہتے تھے۔ کلکٹریٹ میں ملازم تھے۔ مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔ کلام دستیاب نہیں ہوسکا۔

کنہیالال ضبطؔ

کنہیالال نام اور ضبطؔ تخلص والد کا نام موہن لال تھا، مرادآباد کے رہنے والے تھے۔ ذکی مرادآبادی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ کلکٹری فرخ آباد میں ملازم تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد مرادآباد میں رہتے تھے۔ شایاں بریلوی نے لکھا ہے کہ ۱۲۹۹ھ مطابق ۱۸۸۲ء کے بعد انتقال ہوا۔ آپ منشی دیبی پرساد ربطؔ مرادآبادی کے برادرِ حقیقی تھے۔ ذکی مرادآبادی کے شاگرد تھے۔

تذکرہ شعرائے ہنود (گنگ وجمن) میں ان کی سن وفات ۱۸۹۰ء درج ہے۔ جب کہ ولدیت موہن لال لکھی ہے۔ دیگر تذکروں میں بھی ان کی ولدیت موہن لال ہی لکھی ہے۔ صرف شایاں بریلوی نے ان کی ولدیت سوہن لال درج کی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ سہو کتابت ہو۔

تذکرہ شعرائے ہنود میں ان کا مندرجہ ذیل کلام درج ہے:

وہ کوٹھے پر چڑھے تو چشمِ بد دور
اُتارا چاند کو سب کی نظر سے

تڑپتا ہے وہ زخمی نیم جاں آج
جسے مارا تھا کل ترچھی نظر سے

مبارک ضبطؔ عشقِ تیغِ ابرو
سبکدوش ہوگئے اب بارِ سر سے

●

ہم نے عالم میں کیا نہیں دیکھا
ہاں حسیں باوفا نہیں دیکھا

جس نے منھ آپ کا نہیں دیکھا
اُس نے نورِ خدا نہیں دیکھا

حور جنت کو تو خدا جانے
آدمی آپ سا نہیں دیکھا

بحرِ ہستی میں آج تک اے ضبطؔ
کوئی بھی آشنا نہیں دیکھا

(تذکرہ شعرائے ہنود۔ص ۲۶۷)

طالبؔ۔ ویر بھان سنگھ بھارتی

نام ویر بھان سنگھ بھارتی اور تخلص طالبؔ، مرادآباد کے رہنے والے تھے۔ ان کی درج غزل حنیف قریشی مرحوم کی ادارت میں شائع ہونے والے ماہنامے ''انجمن'' بابت ماہ ستمبر اکتوبر ۱۹۵۳ء میں دستیاب ہوئی۔ اس کے علاوہ ان کے دیگر حالات نہیں مل سکے۔

ابھی کچھ اور یادِ یار اے غم خوار کرنے دے
ہمیں اُن سے محبت کا ذرا اظہار کرنے دے
ابھی مہلت کوئی دم دے تلاشِ یار کرنے کی
ہمیں ہستی کو اُس کی یاد میں سرشار کرنے دے
گزشتہ رنج و حرماں کا ذرا افسوس تو کرلیں
ہمیں اشکوں کی لڑیوں کو گلے کا ہار کرنے دے
محبت میں جو سدِّ راہ بن جاتی ہیں تعمیریں
اُنھیں ناپید کرنے دے اُنھیں مسمار کرنے دے
سُنا ہم کو نہ اے ناصح نصیحت اپنی رہنے دے
تصور ہی سے تسکینِ دلِ بیمار کرنے دے
ابھی اُن کی نگاہوں کو جگر کے پار ہونے دے
ہمیں جی بھر کے قاتل کا ذرا دیدار کرنے دے
بہت گھُٹ گھُٹ کے رویا ہوں محبت میں ارے ناصح
گلہ اُن کے ستم کا اب سرِ بازار کرنے دے
یہ سُنتا ہوں زمانے میں بہار آئی ہے اے طالبؔ
ہمیں بھی اس دلِ پُر داغ کو گلزار کرنے دے

عاصیؔ - برج باسی لال بھٹنا گر

منشی برج باسی لال بھٹنا گر تخلص عاصی کے والد دھوم سنگھ واصلؔ بھی شاعر تھے، مرادآباد کے رہنے والے تھے اور تحصیل امروہہ میں باقی نویس تھے۔ ذکی مرادآبادی کے شاگرد تھے۔ ۱۸۸۸ء میں ان کا دیوان ''نغمہ طرب'' کے نام سے ی شائع ہوا تھا۔ شایاں بریلوی نے لکھا ہے کہ ان کے کلام میں لطافت وصفائی اور طبیعت میں آمد ہے
(شعرائے روہیل کھنڈ ج ۴ ص ۲۹۳۵)

صاحب تذکرہ شعرائے ہنود جوہر دیوبندی کا بیان ہے کہ اُنھوں نے ان کا دیوان دیکھا تھا، مشکل زمیوں میں کلام کہتے تھے۔ اُنھوں نے عاصیؔ کا درج ذیل کلام نقل کیا ہے:

●

سرد مہری سے بتوں کی عمر بھر کھائی جو ٹھنڈ
برف کی سل بن گیا سینہ مراپائی جو ٹھنڈ

قبر پر اچھا ہوا جاڑے میں پالا پڑگیا
رات کو چھپ چھپ کے اُس کے بام پر کھائی جو ٹھنڈ

زندہ تھے جب تک جلاتا ہی رہا وہ شعلہ رو
اب ملا ہے قبر میں آرام کچھ پائی جو ٹھنڈ

آگ کی مانند پانی کا بھی ہوتا ہے اثر
جل گیا گلزار شبنم سے بہت پائی جو ٹھنڈ

اور بھی عاصیؔ زیادہ گرمیِ سودا ہوئی
بیٹھ کر شبنم میں تنہا رات بھر کھائی جو ٹھنڈ

●

کیا قافلے آنکھوں سے چلے جاتے ہیں یا رب
اس راہ میں نقشِ کفِ پا کو نہیں دیکھا

کرتا ہے مرے سامنے حوروں کی جو باتیں
زاہد نے بتِ ہوش رُبا کو نہیں دیکھا

حسرت مری جس طرح مجھے پیٹ رہی ہے
یوں میں نے کسی اہلِ عزا کو نہیں دیکھا

ہر ذرّہ میں تاباں ہے اسی مہر کا جلوہ
عاصیؔ کہیں کس طرح خدا کو نہیں دیکھا

●

دل میں گر عشق کے سامان نہ پیدا ہوتے
ایسے ہم کیا تھے جو یوں خلق میں رسوا ہوتے

شوخ چشمی کے مزے ان سے اُٹھاتے کیا کیا
باغِ ہستی میں جو ہم نرگسِ شہلا ہوتے

دم نکلتا نہ غمِ یاس میں بہتر ہوتا
کاش دُنیا میں نہ ہم اہلِ تمنّا ہوتے

کعبہ و دَیر میں کچھ فرق نہ ہوتا عاصیؔ
اہل دُنیا جو فریبوں سے مبرا ہوتے

رباعیات

ہے کوئی یہاں پر صاحبِ حشمت وجاہ
اور کوئی مصیبت میں پریشان و تباہ
ڈرئیے گا دورنگیِ جہاں سے عاصیؔ
وہ شان ہے کبریا کی اللہ اللہ

●

تحریر کی کچھ نہیں ضرورت ہرگز
تقریر کی کچھ نہیں ضرورت ہرگز
تقدیر میں وصل ہے توہوگا عاصیؔ
تدبیر کی کچھ نہیں ضرورت ہرگز

(تذکرہ شعرائے ہنود۔ص ۲۹۵ تا ۲۹۷)

غافلؔ - پیارے لال

پیارے لال کائستھ تخلص غافلؔ کی پیدائش ۱۸۷۷ء میں منشی جوالا پرشاد کے گھر مرادآباد میں ہوئی۔ منشی جوالا پرشاد کلکٹری بدایوں میں جنرل سپرنٹنڈینٹ تھے۔ جب کہ پیارے لال غافل بریلی میں قرق امین رہے۔ بنواری لال شعلہؔ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

تذکرہ شعرائے ہنود میں غافل کا مندرجہ ذیل کلام درج ہے:

●

بڑھتے بڑھتے خود بخود گھٹ جائیگا دردِ جگر
انتہائے درد ہی آخر دوا ہوجائیگی

کیا بگاڑے گی مرا میرے عدو کی بددعا
ہے خدا سیدھا تو غافل وہ دُعا ہو جائیگی

●

عروجِ سر بلندی ہم نے پایا خاک میں مل کر
نکل آیا زمیں کی تہہ میں زینہ بامِ رفعت کا

●

دل کی ہر منزل میں ہیں سو سوجگہ دیر وحرم
گوشہ گوشہ اس مکاں کا جلوہ گاہِ یار ہے

●

چشم خوابیدہ میں بیدار نظر رکھتے ہیں
بے خبر تیرے دوعالم کی خبر رکھتے ہیں

غافل ۔ بختاور سنگھ

بختاور سنگھ تخلص غافل مراد آبادی کا تعلق کایستھ خاندان سے تھا۔ آگرہ میں رہتے تھے صاحبِ اکسیر تھے ۔آگرے کے بہت لوگوں کو آپ سے فیض پہنچا۔ایک دیوان اور ایک مثنوی آپ سے یادگار رہے۔(شعرائے روہیل کھنڈ ج ۴ ص ۲۶۸۷)

میاں بسمل، شکل و میر تراب علی عادل آپ کے خاص شاگردوں میں تھے۔

(تذکرہ شعرائے ہنود)

تذکرہ گلشنِ بے خار، طبقات شعرائے ہند، سخن شعرا، یادگار شعرا وغیرہ نے غافل کا صرف یہی شعر نقل کیا ہے:

بیمارِ عشق کی نہ دوا ہو طبیب سے
مرجائے یا جئے کوئی اپنے نصیب سے

صاحبِ تذکرہ گلستانِ بے خزاں نے بختاور سنگھ غافل کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

غافل ۔تخلص راجہ بختاور سنگھ نام مراد آبادی۔عرصۂ دراز تک جد دہلی میں قیام پذیر۔ بارہا بحفل مشاعرہ مہاراجہ تشریف لاتے۔غزلیات طرح وغیرہ کی سامعین کے روبرو توقیر۔اکثر شائقین کو اُن سے مشورہ تھا۔اُن کی زبانوں پر اِنھیں کا تذکرہ تھا عاصی پر نظر عنایت تھی بدرجہ شفقت تھی ۔عکس تخلص فکر شعر کا انداز ،غافل نام پر ہوشیار ۔بازایام قریب گذرے کہ اس جہاں سے گذرے۔مرد تجرد پیشہ آب و نان سے گذرے۔غالباً دولت کیمیا کی بدولت بے اندیشہ تھے۔شعر گوئی میں صاحب فکر وحاکم پیشہ تھے۔اب قول غافل کا بیان ہے،ہوشیاروں کا اُس پر کان ہے

(گلستانِ بے خزاں)

بختاور سنگھ غافل کا کلام جو مختلف تذکروں سے دستیاب ہوا ذیل میں پیش کیا جارہا ہے:

●

صاف کرتا رہا کل مجھ پہ وہ تلوار کے ہاتھ
اُٹھ کے پکڑے نہ کسی نے میرے خونخوار کے ہاتھ

چھپ گیا پنجۂ خورشید تہِ دامنِ ابر
دیکھ مہندی رچی اُس شوخ ستم گار کے ہاتھ

●

قتل کرتا بھی ہے اور کہتا ہے فریاد نہ کر
یہ ستم ہم پہ نیا اور تو ایجاد نہ کر

●

چمن کوچۂ جاناں سے یہ کیا آتی ہے
ناز کرتی ہوئی جو بادِ صبا آتی ہے

تارِ گیسو میں اُلجھتا ہے سرِ شام سے دِل
رات کیا آتی ہے ایک سر پہ بلا آتی ہے

مجھ سا ہوگا نہ کوئی اہل وفا اے غافلؔ
کہ میری خاک سے بھی بوئے وفا آتی ہے

●

پوچھوں گا اتنی بات میں اس کج کلاہ سے
دیکھا کرے ہے کیوں مجھے ترچھی نگاہ سے

فرخؔ۔ چوبے بدری داس

چوبے بدری داس تخلص فرخ، چوبے گنج لال کے فرزند تھے، مرادآباد کے رہنے والے تھے اور شاعری میں اندرمن فقیرؔ کے شاگرد تھے۔

ان کا مندرجہ ذیل کلام دستیاب ہوا، جسے پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے مزاج میں عاجزی وانکسار تھا اور طبیعت کا رجحان تصوّف کی طرف تھا۔

آتشیں عشق نے پھونکا مجھے شعلہ ہوکر
جل گیا عارضِ پُر نور کا شیدا ہوکر

دلِ مجروح کا میرے ہے خدا ہی ناصر
صفیں مژگان کی گھر آئیں صف آرا ہوکر

باغِ عالم میں رعونت کی ہواؤں سے بچو
بے ثمر سَروْ رہا دیکھ تو رعنا ہوکر

گوشہ گیری نے زمانے میں مرا نام کیا
باعثِ شہرتِ عالم ہوا عنقا ہوکر

(تذکرہ شعرائے ہنود۔ص۳۱۹)

کیفی مرادآبادی

نام بھوکن سرن اور تخلص کیفی تھا۔ جناب امیر حسن خاں نامی کے شاگرد تھے۔ شایاں بریلوی نے لکھا ہے کہ:

''بعد میں جگر کے شاگرد ہو گئے تھے۔ مذاق شعری بہت اچھا تھا۔ اشعار میں جذبات کے ساتھ ساتھ مضمون آفرینی بھی تھی۔ کثرتِ مے نوشی کے سبب جوانی میں فوت ہوئے۔''

کلام دستیاب نہیں ہو سکا۔ (شعرائے روہیل کھنڈ ج ۴ ص ۳۳۱۸)

گوپالؔ مرادآبادی

نام گوپال سہائے اور تخلص گوپال تھا۔ طریق کندرکوی سے اصلاح لیتے تھے۔ زمانۂ طالبِ علمی ہی سے شعروسخن کا شوق تھا۔ ۱۸۹۵ء میں مرادآباد کے مڈل اسکول میں زیر تعلیم تھے اُس وقت ان کا کلام 'پیامِ یار با' بت اگست ۱۸۹۵ء میں شائع ہوا تھا۔ دو اشعار یہاں پیش کیے جا رہے ہیں:

غیر کو پیار سے بٹھاتے ہیں
ہم نکالے گئے ہیں محفل سے
دردِ فرقت سے ہم تڑپتے ہیں
ظلم کی یار انتہا بھی ہے

(شعرائے روہیل کھنڈ ج ۴ ص ۳۴۱۱)

مسرورؔ: پنڈت کامتا پرشاد

پنڈت کامتا پرشاد کا تخلص مسرورؔ مرادآباد کے صاحب ثروت وحیثیت شخص تھے۔ان کا شمار شہر کے رئیسوں میں ہوتا تھا۔ ۱۸۸۲ء مرادآباد کے ڈپٹی کلکٹر تھے۔راجا کشن کمار وقار کے جشن تاج پوشی کے موقع پر قطعہ تاریخ کہا تھا۔ان کے بارے میں منشی پیتم رائے لکھتے ہیں:

''یہ صاحب بہت ہوشیار کارگذار دیانت دار اور خوش گو بسیار گو زود گو ہیں۔طبیعت چالاک،فکر رسا ہے۔راجہ صاحب بہادر کے بڑے دوست ہیں۔تاریخ دوستانہ کہی ہے۔''

ملا خطاب ہے راجہ کشن کمار کو آج
یہ روز نیک ہے احباب کو شبِ معراج
اگرچہ مدح امیروں کی اپنا کام نہیں
ہے سرو کی روش آزاد یہ فقیر مزاج
بنایا اُن کی محبت نے بندۂ بے دام
نہیں ہے اُن کی لیاقت بیان کی محتاج
یہ ہی نکلتی ہے بے ساختہ دُعا دل سے
جہاں میں زیبِ سرِ خسرواں ہے جب تک تاج
حسد حسود کو ، مسرورؔ کو سرور نصیب
مبارک اب رہے اُس (زُہرہ) باوقار کو راج

۱۲۹۹ھ

(مدیحیہ وقار ص ۱۰۱)

مشفقؔ: رام کرشن

نام رام کرشن اور تخلص مشفقؔ۔قوم کے اگروال مہاجن تھے۔ ۱۹۱۴ء میں گلشن آباد میں پیدا ہوئے۔ پڑھائی کے دوران اُنھوں نے اُردو کوسیکنڈ لنگویج بنایا۔اُردو اور فارسی کی تعلیم مرزا ارشاد بیگ سے حاصل کی ۔ ۱۹۳۷ء میں ان کی شادی ہوئی ۔ ۱۹۴۲ء میں انگریزی میں ایم اے کیا۔اسی سال ایس آر ہائی اسکوم رتن گڑھ بیکانیر میں انگریزی کے ٹیچر مقرر ہوئے ۱۹۴۷ء میں ٹیچرس ٹریننگ کالج اجمیر سے بی ٹی کی ڈگری حاصل کی ۔ ۱۹۴۸ء میں مرادآباد کے ہیوٹ مسلم انٹر کالج میں انگریزی کے لیکچرر کی حیثیت سے تقرر ہوا۔جہاں انگریزی کی تعلیم کے علاوہ بحیثیت سینئر ملٹری انسٹرکٹر بھی طلبہ کو تعلیم دیتے تھے۔ ۲۶ سال درس وتدریس کی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۹۷۴ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے ۔اپنے فرصت کے لمحات کو گیسوئے سخن کونکھارنے میں صرف کرتے ہوئے ۱۹۹۵ء میں دُنیائے فانی کو الوداع کہا مرادآباد میں ملازمت کے بعد انھوں نے اس شہر کو اپنا وطن ثانی بنالیا تھا اور محلہ کٹگھر میں رہتے تھے۔

شعروسخن کا ذوق ابتدائی عمر سے ہی تھا۔جب ہائی اسکول میں تھے تب منشی رحیم اللہ شاہ ناداںؔ گلشن آبادی کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہوگئے تھے۔اُن کے بعد بیدلؔ اجمیری سے اصلاح لی۔مشفقؔ کو نظم کی تمام اصناف پر عبور حاصل تھا۔ان کا مجموعہ کلام ۱۹۹۳ء میں ’’مطلع انوار‘‘ کے نام سے شائع ہوا۔ (مدرسین مرادآباد اور اُردو شاعری ص ۱۲۵)

ملاحظہ کیجیے نمونہ کلام

حمد

کیا ذکر عرش و فرش کا نزدیک و دور کا
جلوہ نظر میں رہتا ہے تیرے ظہور کا

خورشید میں قمر میں ستاروں میں چرخ میں
جلوہ دکھائی دیتا ہے تیرے ہی نور کا

منصور کے لبوں پہ اناالحق کی تھی صدا
کیا مرتبہ ہے عالمِ کیف و سرور کا

مشفق کے سر پہ سایہ رحمت ہو حشر ہو
خواہاں وہ خلد کا ہے نہ طالب ہے حور کا

نعت

مقبول بارگاہِ خدا کا کہوں تمہیں
اچھے ہو تم جہان سے اچھا کہوں تمہیں

سارا جہاں بنا ہے تمہارے ہی واسطے
سارے جہاں سے افضل و اعلیٰ کہوں تمہیں

ارماں تمہارا خلق کو تم پہ نثار خلق
خلقت کی آرزو و تمنّا کہوں تمہیں

ثانی نہیں ہے کوئی تمہارا جہان میں
یکتا کہوں تمہیں کہ انوکھا کہوں تمہیں

مصلح بھی تم ہو ، خُلقِ مجسم رسول بھی
پہروں یہ سوچتا ہوں کہ کیا کیا کہوں تمہیں

محبوب حق ہو ، بانی دیں ، مشفقِ جہاں
رونق فزائے کعبہ و بطحیٰ کہوں تمہیں

غزل

یہ کس کی دل پہ چشمِ حقیقت نِگر گئی
پیمانۂ حیات کو تابندہ کر گئی

اک روز دل تک اُن کی کچھ ایسی نظر گئی
عرفانیت کے اس میں سبھی رنگ بھر گئی

ایمان و دیں بھی چھین لیے دل کے ساتھ ساتھ
ان کی وہ ایک نگاہ بہت کام کرگئی

دیکھا انھوں نے آنکھ اُٹھا کر نہ اِس طرف
گو یہ نگاہ اُن کی طرف عمر بھر گئی

اس بے نشاں کا کوئی نہ اب تک نشاں ملا
دیکھا ہر ایک سمت جہاں تک نظر گئی

جب سے ملی نظر ، وہ نظر دیکھتا رہا
سو بار آکے فصلِ بہاراں گزر گئی

وہ حسن وہ جمال وہ انداز دیکھ کر
تصویر اُن کی دیدہ و دل میں اُتر گئی

مدت کے بعد آئی ہے مشفقؔ شبِ وصال
شامِ بلائے ہجر جو سر تھی گزر گئی

غزل

تیرا ہی باغِ حُسن ہے، تیرے ہی رنگ و بو
جس شے میں دیکھتا ہوں اُسی میں ہے تو ہی تو

یہ حسن یہ شباب یہ شوخی یہ رنگ و بو
بے شک تو لاجواب ہے اے جانِ آرزو

یہ اور بات ہے کہ وہ لب پر نہ آسکے
جو تیری آرزو ہے وہی میری آرزو

اب تک نہ تو ملا نہ تیرا آستاں ملا
میں پھر رہا ہوں تیرے تجسس میں کو بکو

سجدہ مجھے روا ہے ہر اک سمت ہر جگہ
میری نظر میں جلوۂ جاناں ہے چار سو

میں اور تو کا فرق نہیں اب نگاہ میں
دونوں کی ایک حالت و صورت ہے ہو بہو

بہلا رہا ہوں آرزوئے دل کو اس طرح
وعدے پہ وعدہ جیسے کرے کوئی ماہ رو

اب تیرے پائے ناز پہ صدقے ہو اس کی جاں
مشفق کے دل میں اور نہیں کوئی آرزو

مفتوںؔ - پنڈت لچھمن نرائن

نام پنڈت لچھمن نرائن خلف پنڈت گوبردھن داس ۱۸۲۱ء میں مرادآباد میں پیدا ہوئے اور ۱۸۸۷ء میں وفات ہوئی اُردواور فارسی دونوں زبانوں پر دسترس رکھتے تھے لہٰذا شاعری بھی دونوں زبانوں میں کرتے تھے۔مفتوں تخلص تھا۔غالبؔ کے شاگرد تھے۔ تذکرہ شعراے ہنود سے ان کا درج ذیل کلام دستیاب ہوا جسے پڑھنے کے بعد مفتوں کی علمیت وقابلیت اورزبان وبیان پر دسترس کا اندازہ باآسانی لگایا جاسکتا ہے:

مرغِ بسمل ہوگئے میرا تڑپنا دیکھ کر
لوٹ ہیں اہلِ تماشہ یہ تماشا دیکھ کر

کس قدردم خوردہ صحرائے وحشت ہوگیا
ہاتھ میں نبضِ غزالی میرے عیسیٰ دیکھ کر

سامری آخر اسیر دامِ اُلفت ہوگیا
چشمِ فتّاں میں ترے جادو کا سرمہ دیکھ کر

گرم ہواب بزمِ ناؤنوش بےخوف وخطر
محتسب ساقی بنا تندی صہبا دیکھ کر

(تذکرہ شعرائے ہنود)

لالہ جے سکھ لال مقبولؔ

لالہ جے سکھ لال کا تخلص مقبول اور والد کا نام چُنی لال تھا۔ان کے آبا و اجداد اور یہ خود بھی مرادآباد کے رہنے والے تھے لیکن بغرض ملازمت لکھنؤ کے محلہ نوبستہ میں مقیم تھے۔لکھنؤ میں کچہری سلطانی میں فرمان نویسی کی خدمات انجام دینے پر مامور تھے۔صاحبِ دیوان شاعر تھے۔منشی مینڈو لال زارؔ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

صاحبِ تذکرہ سخن شعرا نے درج ذیل دو شعر لکھے ہیں:

عزیزو یوسف کنعاں کی چاہ میں اب تو
کنویں جھنکائے گا مجھ کو ہزار دِل میرا

لوگ روتے ہیں قضا سر پہ کھڑی ہنستی ہے
زعفرانی ہوا جب سے ترے بیمار کا رُخ

(سخن شعرا۔ص ۴۵۳)

تذکرہ 'سراپا سخن' میں مقبولؔ کے درج ذیل اشعار دستیاب ہوئے:

دیکھنے پاؤں اگر اوس گُل بے خار کا رُخ
تادمِ مرگ نہ دیکھوں کسی گلزار کا رُخ

کل قضا آئیو تو ! وعدۂ دیدار ہے آج
دیکھ لینے دے مجھے بہرِ خدا یار کا رُخ

مست کیوں کر نہ ہمیشہ رہے مقبولؔ بھلا
دیکھتا ہے وہ مدام اوس بت میخوار کا رُخ

الٰہی کس سے ہوا ہے دوچار دِل میرا
طپاں ہے سینے میں سیماب وار دِل میرا

ہوا ہے جب سے مجھے عشقِ کاکل و رُخسار
طپیدہ رہتا ہے لیل و نہار دِل میرا

بہت کھلائے گا گل گر جنوں سلامت ہے
دِکھائے گا ابھی کیا کیا بہار دِل میرا

غضب کی جا ہے نہیں آج تک تمہیں معلوم
ہوا ہے تم پہ مری جاں نثار دل میرا
(سراپا سخن۔ص۱۵۶)

ممتازؔ۔ بھگوت سرن اگروال

بھگوت سرن کی پیدائش مرادآباد کے ایک متمول اگروال گھرانے میں ہوئی تھی۔ ان کے والد کا نام لالہ رام سروپ اگروال تھا۔ شروع دن سے ہی کانگریس پارٹی سے منسلک ہو گئے تھے۔ وطن عزیز کی آزادی کے لیے سر پر کفن باندھے انگریزوں سے لوہا لیا جس کی پاداش میں ۱۹۲۲ء میں ۲ سال قید بامشقت اور ۵۰ روپے جرمانہ، ۱۹۳۲ء میں ۶ ماہ کی سخت قید اور ۵۰ روپے جرمانہ، ۱۹۴۲ء میں ایک مرتبہ ۸ ماہ کی سخت قید اور دوسری مرتبہ ۳ برس نظر بندی کی سزا ہوئی۔ اس کے علاوہ بھی متعدد مرتبہ جیل گئے۔ یہاں تک کہ 'جیلی' لفظ ان کے نام کا لاحقہ بن گیا تھا۔ لہٰذا انھیں 'بھگوت سرن جیلی' کہا جانے لگا تھا۔ ۱۹۷۳ء میں وفات ہوئی۔ مجاہد آزادی محبوب حسین سبزواری لکھتے ہیں کہ:

> ''لالہ بھگوت سرن صاحب مجھ سے بہت ہی محبت کرتے تھے اور زیادہ تر وقت میرے مکان پر گزارتے تھے اور ہندوستان کی جنگِ آزادی کے شیدائی تھے۔ تمام عمر جیل میں رہے، نیتاؤں کے ساتھ۔ اسی مناسبت سے بھگوت سرن جیلی کے نام مشہور ہوئے۔ آپ اُردو کے بہت اچھے شاعر تھے۔ حضرت رئیس امروہوی سے اصلاح لیتے تھے اور ممتاز تخلص تھا۔ افسوس کہ ان کا تحریر کردہ دیوان اگران کے بھتیجے شائع کرا دیتے تو ایک عظیم مجاہد آزادی اپنے قلمی کارنامے کے ساتھ زندہ رہتا۔'' (مرادآباد تاریخ جدوجہد آزادی ص ۳۲)

شری جگن ناتھ اگروال (ریٹائرڈ منیجر پنجاب نیشنل بینک) ممتازؔ صاحب کے بھتیجے شری ویریندر کمار اگروال بھٹے والوں کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ ۱۹۲۸ء یا ۱۹۲۹ء میں مہاتما گاندھی کی سبھا میں ممتازؔ صاحب نے قسم کھائی تھی کہ غلام ہندوستان میں بچّے پیدا نہیں کریں گے لہٰذا اُنھوں نے شادی نہیں کی تھی زندگی بھر مجرد رہے۔ لال بہادر شاستری بھی

ان کے دوست تھے۔ ۱۹۴۸ء میں انھوں نے ممتاز صاحب کے گھر کھانا کھایا تھا۔

راقم الحروف نے ان کا کلام مخبر عالم کی فائلوں میں دیکھا ہے۔ لیکن افسوس عدیم الفرصتی کے باعث اُسے نقل نہیں کر سکا اور سر دست وہاں تک رسائی دشوار ہے۔ شری جے این اگروال کی معرفت درج ذیل شعر حاصل ہوا:

نشانِ گردشِ دوراں مجھے مٹانے دو
خلوص وامن کے دریا مجھے بہانے دو

شایاں بریلوی نے ممتازؔ کو کاشفی مرادآبادی کا شاگرد لکھا ہے اور ۱۹۳۰ء کے مشاعرے کے حوالے سے ان کا درج ذیل شعر لکھا ہے:

اُس کے دامن میں اگر مجھ سا سیہ کار نہ ہو
اتنی تاریک زمانے میں شبِ تار نہ ہو

(شعرائے روہیل کھنڈ ج ۴ ص ۲۴۷۲)

راقم الحروف کی رائے میں چونکہ محبوب حسین سبزواری، ممتازؔ کے احباب میں شامل رہے ہیں لہٰذا ان کا بیان زیادہ معتبر ہے کہ ممتاز رئیس امروہوی کے شاگرد تھے۔

منشی۔ منشی برج موہن لال

برج موہن لال، منشی تخلص کرتے تھے۔ مرادآباد کے رہنے والے تھے، کہنہ مشق شاعر تھے، اکثر رسائل میں کلام شائع ہوتا تھا۔ احمد حسین تسخیرؔ مرادآبادی کے شاگرد تھے۔ گلشنِ سخن امروہہ ۱۸۹۴ء میں ان کے درج ذیل اشعار درج ہیں۔ جس معلوم ہوتا ہے کہ اُنیسویں صدی کے اوائل میں حیات تھے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ کیجیے:

آنکھوں میں جان، لب پہ دُعا، دل میں درد تھا
مرنے مگر دیا نہ ترے انتظار نے
منشی کبھی نہ غنچۂ دل اپنا وا ہوا
یوں گل کھلائے سیکڑوں فصلِ بہار نے

(شعرائے روہیل کھنڈ ج ۴ ص ۲۹۵۷ بحوالہ گلشنِ سخن امروہہ ۱۸۹۴ء)

وفاؔ مرادآبادی

پنڈت مہندر ناتھ نام اور تخلص وفاؔ۔ جوہرؔ مرادآبادی کے شاگرد تھے۔ سول لائنس مرادآباد میں رہتے تھے۔ ان کے مندرجہ ذیل تین اشعار دستیاب ہوئے۔ تیسرا شعر دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ایک ادھیاتمک شخص تھے۔

زندگی خوگرِ غم کیوں تجھے دُشوار نہ ہو
مائلِ جور وجفاجب وہ ستم گار نہ ہو

دے رہی ہے خلشِ دل مجھے پیغامِ حیات
یہ بھی اعجاز تراائے نگہِ یار نہ ہو

پردۂ زیست کو یہ کہہ کے اُٹھایا میں نے
اپنی ہی ہستی کہیں مانعِ دیدار نہ ہو

(تذکرہ شعرائے روہیلکھنڈ ج ۴ ص ۲۸۵۹)

لالہ نول رائے وفاؔ

راجہ نول رائے قوم کایستھ بھٹناگر ساکن مرادآباد۔ جناب قائم چاند پوری کے مطابق ان کے بڑے بھائی جب کہ خیراتی لال بے جگر اور مبتلاؔ میرٹھی کے مطابق ان کے چچا راجہ گلاب رائے امیر الامرا نواب نجیب الدولہ بہادر کے دیوان اور مدار المہام تھے۔ خود راجہ نول رائے بھی دریائے (رام) گنگا کے کنارے بعض پرگنوں کی تحصیل وصولی پر مقرر تھے۔ سیّد رفیق احمد مارہروی نے اپنے مضمون مطبوعہ رسالہ 'زمانہ' ماہ جولائی ۱۹۴۰ء میں لکھا ہے کہ راجہ صاحب کے باپ دادا اٹاوہ کے موروثی قانون گو تھے۔ ان کا ابتدائی زمانہ راجہ رتن سنگھ زخمیؔ بریلوی کے پاس گزرا۔ ذاتی قابلیت اور کارکردگی کی بدولت نول رائے بھی راجہ ہوئے۔ احمد شاہ کے دورِ حکومت ۱۷۴۸ء تا ۱۷۵۴ء میں ابو المنصور صفدر جنگ کو اودھ اور الہ آباد کی صوبے داری ملی تو راجہ نول رائے دونوں صوبوں میں ان کے نائب رہے۔ ۱۷۵۲ء میں ایک معرکہ آرائی میں شہید ہوئے۔

(شعرائے روہیل کھنڈ ج ۴ ص ۲۴۔ ۲۷۱)

راجہ نول رائے باصلاحیت، باتدبیر منصب دار، بہادر سپہ سالار اور بے بدل شاعر تھے جناب جگر بریلوی نے ان کو حضرت میر تقی میر پر فوقیت دینے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ

> ''آج اگر ان کا دیوان میرؔ کے کلیات کی طرح ہماری نظر کے سامنے ہوتا تو یہ اندازہ کرنے کا موقع تھا کہ جس رنگ کو میرؔ سے منسوب کیا جاتا ہے اس کا سرچشمہ کس کے یہاں سے نکلا۔''

حالانکہ جگر بریلوی کا یہ قول مبالغہ آرائی سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

راجہ نول رائے شاعری میں قائم چاند پوری کے شاگرد تھے۔قائم چاند پوری نے اپنے تذکرے مخزن نکات میں ان کا ذکر مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے:

”مقبول خاطر ارباب صفا لالہ نول رائے وفاؔ، جوانیست نوخاستہ بجمیع صفات آراستہ و پیراستہ۔جدتِ ذہن وجودت فہم، اصابت رائے ولطافت مزاج بمرتبۂ اتم دارد۔مہین برادرش زادہ گلاب رائے دیوان مدارالمہام امیرالامرا نواب نجیب الدولہ بہادر است وایں عزیز بہ تحصیل بعضے پرگنات آں روئے گنگ نیز اشتغال دارد طلب ہر کمال۔ (مخزنِ نکات۔ص ۸۰)

ترجمہ: ”ارباب صفا میں مقبول راجہ نول رائے متخلص بہ وفاؔ نوعمر جوان ہیں، تمام خوبیوں کے مالک ہیں۔جدت ذہن، جودت فہم، اصابت رائے، لطافت مزاج بدرجہ اتم رکھتے ہیں۔ان کے برادرِ بزرگ راجہ گلاب رائے امیرالامرا نواب نجیب الدولہ بہادر کے دیوان ہیں اور وفاؔ صاحب دریائے گنگا کے بعض پرگنوں کی تحصیل وصول میں مصروف ہیں۔۔ہر کمال کو طلب کر رہے ہیں۔“

منشی خیراتی لال بےجگرؔ نے اپنے تذکرے میں ان کے حالات اس طرح بیان کیے ہیں:

”لالہ نول رائے قوم کائستھ بھٹناگر مرادآبادی۔قائم چاند پوری کے شاگرد تھے۔ ان کے عم عالی مقدار راجہ گلاب رائے سرکار نجیب الدولہ کے دیوان تھے۔عشق میرٹھی نے ان سے ملاقات کی تھی۔اور مندرجہ ذیل مطلع ان کی زبانی سنا تھا:

نہ ہوویں محو سفلی رند دُرد آشام کی آنکھیں
کہ ساری عمر اس نے دیکھیاں ہیں جام کی آنکھیں

۔ (شعرائے روہیل کھنڈ ج ۴ ص ۲۴۔۲۷۲۱)

نمونۂ کلام

ہونے کو دل سہج ہی گرفتار ہوگیا
اب چھوٹنا یہ زُلف سے دُشوار ہوگیا

سمجھے صفائے شست تری چشم کا وہی
جس کے جگر سے تیرِ نگہ پار ہوگیا

ایسے مزاج بھی کہیں دیکھے ہیں اے وفاؔ
کیا بات تھی جو رات وہ بیزار ہوگیا

عارض پہ تمہارے یہ پسینہ
ہیرے کا ہے لعل پر نگینہ

غم میں بھی اگر رہا سلامت
پتھر سے بھی سخت ہے یہ سینہ

اس کو منظور یاں سے جانا تھا
گریہ میرا فقط بہانا تھا

دل نہ کرنا تھا اس طرح سے خراب
عاقبت وہ ترا ٹھکانا تھا

یاں تک از خویش رفتہ ہوں کہ مدام
آپ کرتا ہوں میں سراغ اپنا

حباب آسا نہ پھول ہستی پہ اپنی
کہ غافل کیا بھروسہ ہے نفس کا

بت سے لیتے ہیں کارِ حق حضرت
شیخ ٹک دیکھ اعتقادِ ہنود

ہووے گا دل سے محو غمِ یار کب تلک
کیوں ہم نشیں یہ جائے گا آزار کب تلک

بسکہ اپنے انقلابِ بخت سے ڈرتے ہیں ہم
بسترِ گل پر بھی لرزاں ہی قدم دھرتے ہیں ہم

کل کا وعدہ کرگیا ان سے جو اے محرم تو کیا
یاں تو بیتابی سے دل کی آج ہی مرتے ہیں ہم

بیچے ہے اک نگاہ پہ دل کے تئیں وفاؔ
لینا ہو گر تمہیں تو کچھ اتنا گراں نہیں
اپنی ہی چشم کے تئیں تابِ نظر نہیں
ورنہ وہ آفتاب کہاں جلوہ گر نہیں

ساتھ تجھ سے کے اگر مہر وفا کی ہم نے
عفو کر عفو کہ اے شوخ خطا کی ہم نے

عقدے پر عقدے کیے چرخ نے مضبوط اگر
اک گرہ رشتۂ مقصود سے وا کی ہم نے

ڈر ہے اس وقت کا ظالم کہ لہو بل منھ سے
جس گھڑی رو بہ فلک ہوکے دُعا کی ہم نے

دل تو کہے ہے جی میں گرفتار کیجیے
یعنی کسی صنم کے تئیں پیار کیجیے

گر مانگتا ہے جی کے تئیں دیجیے وفؔا
کیا چیز ہے کہ دوست سے انکار کیجیے

عدم کے جانے سے کیا حیف ہے عزیزاں کے
کہ کوچ اُدھر ہی کو ہے صبح و شام اپنا بھی

پھر دمِ سرد جو دل ہو نہ سکے گرمِ فغاں
شغل تھوڑا بھی بھلا ہووے ہے بیکاری سے

کوچۂ عشق کی ہے راہ خطرناک وفؔا
جو قدم یاں تو رکھے یار تو ہُشیاری سے

کس گلِ تازہ نے اس باغ میں کی جلوہ گری
ہم زرِ داغ سے جس کے نہ خریدار ہوئے

جوں اشک نہ پھر اُٹھا زمیں سے
یا رب میں گرا ہوں کس نظر سے

آنے کا مرے وہ سُن کے چرچا
نکلا نہ تمام روز گھر سے

کیوں تو کرتا ہے گور سے نفرت
آخر اک دن وہی ٹھکانا ہے

عشق میں امتیاز رُتبہ نہیں
خاکپائے ایاز ہے محمود

پوچھو ہو کیا کہ حال ترا کس طرح سے ہے
کیا جانتے نہیں ہو میاں جسطرح سے ہے

ہے جلوہ گر وہ ہم میں پر آلودگی سے دور
جس طرح عکس آب میں ہو ماہتاب کا

دینا تو دل نہ آپ کو مقصود تھا و لیک
جب مل گئی یہ آنکھ میں ناچار ہو گیا

ڈاکٹر فہمیدہ خان وفا کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

وفاؔ کے حاصل شدہ کلام کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی زبان میں صفائی، سادگی اور سلاست ہے اور اشعار میں اکثر داخلیت اور سوز و گداز کا غلبہ ہے۔

وفاؔ کے کلام میں کہیں کہیں متروکات بھی نظر آتے ہیں، جن کی موجودگی بالکل فطری ہے، کیوں کہ ان کا کلام جس زمانے کی یادگار ہے، اُس زمانے میں یہ تمام لفظ رائج تھے۔ ایسے چند الفاظ سہج (آسان یا آسانی سے) پھولنا (مغرور ہونا)، تلک (تک) وغیرہ ہیں۔

(شعرائے مرادآباد کی ادبی خدمات ص ۱۷ تا ۱۸)

وقارؔ۔ راجہ کنور کشن کمار

راجہ کشن کمار کا تخلص وقارؔ اور والد کا نام رائے پردومن کشن تخلص ہادیؔ تھا۔ وقارؔ منشی انوار حسین تسلیم سہسوانی کے شاگرد تھے۔ اُردو اور فارسی دونوں زبانوں پر عبور حاصل تھا اور دونوں زبانوں میں شاعری بھی کرتے تھے۔ ان کا دیوان ۱۸۷۷ء میں شائع ہوا تھا۔ جسے احقر مرتب نے مسلم پبلک لائبریری مرادآباد میں دیکھا تھا۔

شایاںؔ بریلوی کے مطابق:

> ''آپ کے مورث اعلیٰ کو مغل بادشاہ محمد شاہ نے مرادآباد میں عہدہ وکالت پر فائز کیا تھا۔ اس وقت سے آپ کے خاندان کا مرادآباد میں قیام ہوا۔ آپ کے جد بزرگوار رائے آتمارام عہد نواب آصف الدولہ میں چکلہ دار بجنور مقرر ہوئے اور ایسٹ انڈیا کمپنی نے منشی عدالت مقرر کیا۔ اُنھوں نے ملازمت ترک کر کے اضلاعِ مرادآباد، بجنور و بدایوں میں تعلقہ خریدا جس میں روز افزوں ترقی ہوئی۔ ان کے فرزند رائے پردومن کشن نے ۱۸۵۷ء میں خیرخواہی کی جس کے صلے میں تین ہزار روپے جمع کی زمینداری ملی۔ ان کے بیٹے کشن کمار کو راجہ کا خطاب ملا۔ آپ بڑے عالی حوصلہ اور صاحب ہمّت تھے''
>
> (شعرائے روہیل کھنڈ ج ۴ ص ۲۸۵۲)

رائے کنور کشن کمار وقارؔ خلف رائے پردومن کشن ہادیؔ مرادآبادی کی رسم تاج پوشی مؤرخہ ۱۱؍دسمبر ۱۸۸۲ء کے سلسلہ میں ایک جشن منعقد کیا گیا جس میں بہت سے شعراء نے مدحیہ قصائد کہے۔ مرادآباد کے شعراء میں امتیاز علی امتیازؔ، جمشید علی جمؔ، حافظ محمد حشمت علی حشمتؔ، سیّد نظیر شاہ رساؔ، جعفر علی طریقؔ، فریدالدین فدویؔ، پنڈت کامتا پرساد سرورؔ ڈپٹی کلکٹر مرادآباد اور منشی امجد علی امجدؔ مالک اخبار نیّرِ اعظم نے شرکت کی۔ ان قصائد کا مجموعہ راجہ صاحب کے پیشکار

منشی پیتم رائے صاحب شاگرد انوار حسین تسلیمؔ نے ''مدحیۂ وقارؔ'' کے نام سے ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء میں مطبع مطلع العلوم مرادآباد سے منشی امجد علی مالک اخبار نیّر اعظم کی سرپرستی میں شائع کی۔ یہ کتاب راقم الحروف کے ذخیرۂ کتب میں موجود ہے۔

ملاحظہ فرمایئے وقارؔ کا منتخب کلام:

کس واسطے لڑتے ہیں بہم شیخ و برہمن
کعبہ نہ کسی کا ہے نہ بت خانہ کسی کا

وقارؔ اُستاد ہیں تسلیم میرے
میں ہوں پابند تسلیم و رضا کا

چشمِ وحدت سے بت کدے میں بھی
مجھ کو ہر بت خدا نظر آیا

جب سے دیکھا ہے روئے یار وقارؔ
آئینہ اپنے ہوش سے گزرا

اُمید پر رہائی کی توڑا قفس میں دم
تھی آمدِ بہار نہ ہم سے رہا گیا

ان بتوں کے اگر زباں ہوتی
دعویٰ کر بیٹھتے خدائی کا

چاہتا ہے منزلِ مقصود کی پُر خار راہ
پائے شوق آساں طلب ہے اور دل مشکل طلب

جوشِ جنوں نے آتے ہی فصلِ بہار کے
پھیلائے پاؤں دامنِ کہسار کی طرح

راہ سے عشق و محبت کی ہے تو بھی آگاہ
ایک دن پوچھیں گے ہم خضر سے تنہا مل کر

نہیں ہے دل میں ہوا و ہوس کی گنجائش
ہمارے گھر میں کہاں خار و خس کی گنجائش

ہم سے رکھتا ہے وہ صنم اخلاص
رکھتے ہیں اُس کے غم سے ہم اخلاص

یاد سے دل ہے شادماں محظوظ
ذکر سے تیرے ہے زباں محظوظ

قصہ حسن لن ترانی ہے
رب ارنی ہے اک فسانۂ عشق

زمانے سے ہمارا اُٹھ گیا دل
ہوئے جب سے تمہارے ہم نشیں ہم

واعظ ہے مجھے آرزوئے کوچہ جاناں
وہ اور ہیں جو مرتے ہیں جنت کی ہوس میں

نیستی جلوہ گر ہے ہستی میں
کچھ عدم کا میرے وجود نہیں

منت کشِ جواب نہ ہوگا مرا سوال
ان کے دہن نہیں ہے تو میرے زباں نہیں

بتکدہ ہو گیا خدا کا گھر
کیا ہی وضع زمانہ برہم ہے

پامالِ خرامِ ناز کیجیے
ٹھکرایئے سرفراز کیجیے

چھٹ گیا میں عذاب سے تو نے
قتل کر کے ثواب لوٹا ہے

ہے حقیقی مرا مجازی عشق
بت پرستی میں حق پرستی ہے

خانۂ دل میں ہے خیالِ صنم
یہ وہ کعبہ ہے جس میں مورت ہے

زلفِ پیچیدہ ایک مزرعہ ہے
سبزۂ خط نئی عبارت ہے

چند اشعار فارسی

کشن کمار وقارؔ اُردو کے ساتھ ساتھ فارسی زبان و ادب پر بھی عبور حاصل تھا۔ لہٰذا چند اشعار فارسی کے بھی ملاحظہ کیجیے:

جانم بلب آمد اے خود آرا
رحمے بر حال من خدارا

تلخ کام کوہ کن راعشق شور انگیز کرد
پر غلط گویند شیریں کرد یا پرویز کرد

ترکِ عشقش باعثِ آزارمن شداے وقارؔ
ورنہ صحت آشنا بیمار را پرہیز کرد

چو بایادِ زُلف کسے کاردارم
مصاریع پیچاں دراشعاردارم

(صبح گلشن۔ص۵۹۸)

ہادیؔ۔رائے پردومن کشن کمار

رائے پردومن کشن کمار ولد رائے آتمارام مرادآباد کے رئیس تھے۔مردآباداور بدایوں کے اضلاع کے تعلقہ دار بھی تھے۔ان کے مورث اعلیٰ کو محمد شاہ بادشاہ نے ''رائے'' کے خطاب سے نوازا تھااور بڑے بڑے مراتب جلیلہ پر فائز کیا تھا۔رائے صاحب کو شعروشاعری سے بھی شوق تھا۔ہادیؔ تخلص تھا۔

غضب ہے اس سے ارادہ ہے آشنائی کا
جہاں میں شہرہ ہے جس بت کی بے وفائی کا

ہمارے دِل کا نہ نکلا کوئی بھی ارماں ہائے
شب وصال بھی کھٹکا رہا جدائی کا

نگاہِ شوق سے ہو جائے گا جہاں برباد
رہا جو طور یہی ا س کی کج ادائی کا

لگاکے آگ جلادے جو چرخ ظالم کو
تو معتقد ہوں میں اُس کی آہ رسائی کا

وہاں رقیب ہیں دلشاد اُن کے وصل سے آہ!
یہاں رُلاتاہے ہم کو الم جُدائی کا

اُٹھے ہیں کعبہ سے انجام دیکھئے کیا ہو
ہوا ہے قصد درِبت پہ جبہ سائی کا

غضب ہواوہ لگاتے ہیں مہندی ہاتھوں میں
اب اُن کی تیغ سے خوں ہوگا اک خدائی کا

یہ ہم نہ کہتے تھے ہادیؔ نہ دِل لگاؤ کہیں
نتیجہ دیکھ لیا تم نے آشنائی کا

(۱۸۵۷ء کے غدار شعراء-۱۶۵ تا ۱۶۸)

ہری مرادآبادی

ہری پرشاد نام اور تخلص ہریؔ تھا۔ بدرؔ جلالی کے شاگردوں میں سے تھے۔ اس کے علاوہ دیگر حالات اور کلام دستیاب نہیں ہوسکا۔

(شعرائے روہیل کھنڈ ج ۴ ص ۲۹۷۰)

ہوشؔ مرادآبادی

منشی شیونرائن نام اور تخلص ہوش تھا۔ مرادآباد کے رہنے والے تھے۔ منشی گیندن لال گوہر بدایونی انھیں کے شاگرد تھے۔ (ہندو مثنوی نگار ص ۱۷۳)

یکتاؔ مرادآبادی

اے نیول مذہباً عیسائی تھے جو اپنے مذہب پر کاربند تھے بلکہ پادری تھے۔ شعر و شاعری کا شوق شروع سے تھا۔ جناب بربادؔ مرادآبادی کے شاگرد تھے۔ یکتا تخلص کرتے تھے۔ کوئی کلام دستیاب نہیں ہوسکا۔

(شعرائے روہیل کھنڈ ج ۴ ص ۳۳۹۸)

روشن چراغ

اُن شاعروں کا ذکر

جو آج بھی گیسوئے سخن سنوارنے میں مصروف ہیں۔

ماہرؔ مرادآبادی

نام کیلاش چند ماتھر اور تخلص ماہرؔ۔ مرادآباد کے محلہ نئی بستی میں ۸؍اکتوبر ۱۹۲۸ کو ایک خوش حال اور اعلیٰ خاندان میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام رام چند ماتھر تھا جو کائستھوں میں اہم لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے۔

ماہرؔ کے بارے میں دھرمیندر ناتم اپنی کتاب 'ہمارے رسول' میں لکھتے ہیں:

''ماہرؔ صاحب کی ابتدائی تعلیم مکتب میں ہوئی۔ ۱۹۴۳ء میں پار کر کالج سے ہائی اسکول کے امتحان میں اعلیٰ نمبروں سے کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۴۶ ء میں انٹرمیڈیٹ کرنے کے بعد الہ آباد یونی ورسٹی میں داخلہ لیا۔ جہاں ڈاکٹر اعجاز حسین اور جناب ضامن علی ضامنؔ جیسے اساتذہ کی سرپرستی حاصل ہوئی۔ رسالۂ نیساں کے نائب مدیر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ یہاں رہ کر فراقؔ گورکھ پوری سے بھی متاثر ہوئے لیکن نامعلوم وجوہات کی بنا پر ۱۹۴۸ ء میں الہ آباد کو الوداع کہہ کر مرادآباد آ گئے اور ڈسٹرکٹ بورڈ میں ملازمت کر لی ۔ساتھ ہی تعلیمی سلسلہ بھی جاری رکھا۔ معاشیات میں داخلہ لیا اور آگرہ یونی ورسٹی سے فرسٹ ڈویژن میں ایم اے اور ایل ایل بی کے امتحات پاس کیے اور درس و تدریس سے منسلک ہو گئے۔ مرادآباد، دھام پور اور رائے بریلی کے کالجوں میں لیکچرار کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ ۱۹۵۵ء میں حکومت ہند کی منسٹری آف انڈسٹریز میں ملازمت حاصل کر لی۔ ۲۲ سال فرائضِ منصبی نبھائے۔ آپ بمبئی اور کان پور میں اپنی خدمات انجام دیتے ہوئے ۱۹۷۶ ء میں ریاست سکّم میں ڈائریکٹر آف انڈسٹری کے عہدے پر مامور رہے۔ ملازمت کے دوران تین مرتبہ دوسرے ممالک گئے۔ ۱۹۸۶ ء سے دہلی میں قیام پذیر ہیں اور ہائی کورٹ میں وکالت کے پیشے میں ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔ آپ ممتاز شاعر اور اہم نثر نگار ہیں۔ آپ کے تین مجموعے شائع ہو چکے ہیں: لمسِ ہوا (غزلیں ۱۹۸۲)

،لمحہ لمحہ پیاس (نظمیں ۱۹۹۱ء) اور کاما کشی (شاعری ۲۰۰۵ء)۔آپ کا نیام مجموعہ کلام 'خواب مت دیکھو' جولائی ۲۰۰۸ء میں منصۂ شہود پر آیا۔آپ نے ترجمہ کے میدان میں بھی اپنی صلاحیت اور معلومات کے سبب نام کمایا ہے۔ پہاڑ اور ساحل ۱۹۶۷ء میں مقبولیت حاصل کر چکے ہیں ۔آپ کے کلام میں بالغ نظری اور بصیرت، رموزِ زبان سے گہری واقفیت ہے۔ لہجے میں سادگی اور پرکاری ہے۔''

(ہمارے رسول ص ۵۲۲)

احقر مرتب اپنی مصروفیات کے باعث مجوعہ ہائے کلام تک رسائی حاصل نہیں کر سکا جو کلام با آسانی دستیاب ہوسکا اُسے پیش کیا جارہا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

نعت

کون و مکاں میں ہوتا ہے چرچا رسول کا
نبیوں میں سربلند ہے رتبہ رسول کا

اے چشمِ انتظار نہ ہو اس قدر ملول
محشر کے روز دیکھنا جلوہ رسول کا

سجدے میں سرنگوں ہیں جہاں سارے مہر وماہ
اونچا ہمالیہ سے ہے پایہ رسول کا

ناحق کے آگے سر نہ جھکانا مجاہدو
یہ درس دے گیا ہے نواسہ رسول کا

پہچان جب عطا ہوئی لفظ و بیان کی
پہلے قلم نے نام لکھا تھا رسول کا

جی چاہتا ہے جاکے اسی در سے مانگنا
ماں کی زباں سے ذکر سُنا تھا رسول کا

ماہر وہ خوش نصیب ہیں دُنیا میں کس قدر
آتا ہے جن کے نام بلاوا رسول کا

●

میں اکیلا ہی نہیں رسوا سر محفل یہاں
میرے افسانے میں شامل تیرا افسانہ بھی ہے
کون جانے کس طرف اُٹھ جائیں اب ماہر قدم
عزمِ توبہ بھی ہے دل میں اذنِ میخانہ بھی ہے

(ہفت روزہ مخبر عالم بابت یکم دسمبر ۱۹۵۴)

رولینڈ لارنسؔ

رولینڈ لارنس ولد ای۔ داس ۱۹۳۵ء کو رام پور میں پیدا ہوئے۔ پیدائش کے کچھ عرصے بعد ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ ان کی پرورش ان کی والدہ ریچل نے کی۔ انھوں نے رضا پوسٹ گریجویٹ کالج رام پور سے بی ایس سی اور بریلی کالج بریلی سے ایم ایس سی کیا۔ ۸؍ اکتوبر ۱۹۶۰ء میں پارکر انٹر کالج میں ریاضی کے لیکچرر مقرر رہوئے۔ ۳۵ سال درس وتدریس کی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۹۹۵ء میں اپنے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ آخری اٹھارہ سال وہ کالج کے وائس پرنسپل بھی رہے۔　(مدرسین مراد آباد اور اُردو شاعری ص ۱۱۴)

اُردو سے انھیں شروع سے ہی لگاؤ تھا۔ بلکہ وہ اُردو کو اپنی مادری زبان مانتے ہیں۔ جیسا کہ عابد رضا بیدار کے نام لکھے ایک خط میں وہ خود لکھتے ہیں:

> ''منطقی اظہار کی زبان تو انگریزی تھی، لیکن جذبات کی زبان، میری مادری زبان اُردو کے سوا اور کوئی زبان نہیں بن سکتی تھی۔ سوکوپر (COWPER) بھی اس میں ڈھلا۔ پھر میرا ہر جذبہ، کبھی آہ، کبھی خلش، کبھی اُلجھن، کبھی ضبطِ غم، کبھی چیخ، کبھی شور، کبھی کراہ، کبھی آنسو اور کبھی اپنے او ہر ہی نہیں بلکہ پوری دُنیا پر دل کھول کر ہنسنے میں ڈھلتا چلا گیا۔ جذبہ لفظ بنا، لفظ مصرعے اور پھر شعر بنتے گئے۔ جو آپ کے سامنے ہیں۔'' (گاہے گاہے ص ۸)

لارنسؔ نے پہلی غزل ۱۹۶۰ء میں کہی۔ اور بقول عابد رضا بیدار اُن کی فکر اس سے بہت پہلے شعر میں ڈھلنے لگی تھی۔ یہ واضح نہیں ہوسکا کہ اس فن میں اُنھوں نے کس شخص سے اصلاح لی، یعنی اپنا استاذ کسے بنایا۔ البتہ اُن کے مجموعہ کلام ''گاہے گاہے'' کا آغاز عرشی زادہ کے ایک خط سے ہوتا ہے جس میں اُنھوں نے اس غزل میں اصلاح کی ہے:

؎ صبا جو نکہتیں ہمراہ اپنے لائی ہے

لارنس نے غزلوں کے ساتھ نظمیں بھی کہیں ہیں۔ان کی نظمیں ماہنامہ 'خیال، ماہنامہ شاہراہ دہلی، اور ماہنامہ 'کتاب' لکھنؤ میں شائع ہوئیں۔رولینڈ لارنس کو فرانس کے مشہور شاعر ولیم کوپر سے خاص اُنس ہے اسی لیے انھوں نے کوپر کی نظموں کا اُردو ترجمہ کیا۔اس ترجمے کے تعلق سے عابد رضا بیدار لکھتے ہیں:

> ''میں نے پہلی بار لارنس کو، کوپر کو اُردو میں ڈھالتے دیکھا تو قدرے حیرت ہوئی۔لگتا تھا کوپر نے نظم کو اصلاً اُردو ہی میں لکھا ہے۔پھر کوپر کی ایک اور نظم اُردو میں ڈھلی ہوئی ملی۔خیال آیا کہ اصل کو پر کو سامنے رکھ کر لارنس کو پڑھا جائے۔پڑھا، تو لطف دوبالا ہو گیا۔'' (گاہے گاہے ص۹)

بعد میں اُنھوں نے ایملا جولا کے ''جولین'' کا انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کیا۔ان کی لکھنے کی رفتار اتنی سست ہے کہ ۶۰ سے ۹۵ء تک ۳۵ سال کی مدت میں ۱۹۹۵ء میں ان کا پہلا مجموعہ کلام ''گاہے گاہے'' شائع ہوا۔جو صرف ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔جسے پہلے خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ نے شائع کیا اور پھر مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع ہوا جو صرف ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔۱۹۹۶ء میں انھیں اُتر پردیش اُردو اکادمی نے ایوارڈ سے نوازا۔

ملاحظہ کیجیے لارنس کی پہلی غزل:

صبا جو نکہتیں ہمراہ اپنے لائی ہے
کسی کی زُلف کی پھر یاد ہم کو آئی ہے

شعائیں پھوٹتی ہیں نقش پا کے ذرّوں سے
خرامِ ناز نے کیا کہکشاں بنائی ہے

ہمارے صبر و تحمل کا امتحاں لینے
ہزار بار شبِ ہجرِ یار آئی ہے

جو بزمِ یار میں ذکرِ وفا ہوا ہے کبھی
زبانِ غیر سے ہم نے بھی داد پائی ہے

ستم شعار کا چہرہ اُتر گیا ہے وہیں
جو داستانِ شبِ غم کبھی سُنائی ہے

جنوں نے اُلجھے مسائل کا حل نکال لیا
یہ کس سے اہلِ خرد تم نے مات کھائی ہے

مدعا اپنا دل آزاریٔ خوباں بھی نہیں
بس اسی درد کا ہوجاؤں یہ امکاں بھی نہیں

غم سے فرصت بھی نہیں درد کا درماں بھی نہیں
میں مگر گردشِ پیہم سے حراساں بھی نہیں

آنکھ نمناک نہیں چہرہ پریشاں بھی نہیں
اور اس ضبطِ مسلسل پہ میں نازاں بھی نہیں

غنچہ شاداب نہیں گل بھی نہیں رنگ افشاں
اب مجھے شکوۂ کوتاہی داماں بھی نہیں

رہنماؤں نے مرے دل کو کہاں چھوڑ دیا
جادۂ شوق میں مدت سے چراغاں بھی نہیں

جو بھی چاہے وہ اسے اپنا فسانہ کہہ لے
داستاں سے مری اندازۂ عنواں بھی نہیں

پیار رحمت ہے، عنایت ہے، ضرورت بھی ہے
یہ حقیقت میں تجھے یاد دلاؤں کیسے

دل نے پھر اک کنبہ جوڑا
یاد کیے بیتے افسانے
یاروں کی یاری کو تولا
زخم کریدے نئے پرانے
پھر بھی (مورکھ من یوں بولا)
کون غلط تھا تو کیا جانے
وقت بھی اُلجھی چال چلے جب
لاکھ دکھوں کے لاکھ بہانے

دل کہ تاریک اک مکاں سا ہے
تجھ سے روشن تھا یہ گماں سا ہے
کوئی کیسے یقین کر لیتا
واقعہ بھی تو داستاں سا ہے
آؤ چل کر ذرا اُدھر دیکھیں
بستیوں میں ابھی دھواں سا ہے
پہلا پتھر ہمیں پہ اُٹھے گا
دل میں اک خوف یہ نہاں سا ہے
اس کو روکو کہ کوئی بات بنے
اجنبی یہ تو رازداں سا ہے
پھر قفس میں کسی نے دم توڑا
سلسلہ یہ تو جاوداں سا ہے
اُس کی سہمی زبان کا لہجہ
کسی درویش کے بیاں سا ہے
مجھ کو جنگل کی راہ دکھلا کر
آج ہر شخص شادماں سا ہے

دل کی حالت تو آشکارا ہے
پھر بھی اسلوب کو سنوارا ہے
تم نمک پاشیوں سے رنگ بھر دو
ہم نے بھی زخمِ دل نکھارا ہے
کون ہم سا ہے جاں نثاروں میں
تم نے کیوں زلف کو سنوارا ہے
گاہے گاہے ہمارا ذکر چلے
بس یہ رشتہ ہمیں گوارا ہے

اور خلش بڑھنے دے

(ولیم کوپر کی نظم کا منظوم ترجمہ)

وہ تری زلف پریشاں وہ نگاہِ مغموم
وہ علاماتِ گراں باریٔ خاطر جن کو
میری محبوب تری کوششِ ناکام کبھی
یوں پس پردۂ ظلمات نہ رکھ پائے گی

جب کہ حسرت کو جنم دیتے ہوں نازک جذبے
تو بھی دو چار گھڑی اشک رواں رہنے دے

نیم شفاف وہ موتی وہ لرزتے آنسو
جن سے اک سلسلۂ ربطِ محبت ہے مجھے
اس سے پہلے کہ ملے اُن کو زمیں کی آغوش
آ، قریب آ کہ یہ امرت مجھے پی لینے دے

فاصلے لاکھ بڑھیں پر یہ وفا کے انداز
ہے انھیں پر مری اُمید کی دُنیا قائم
اتنی پُرسوز ہے جب اپنی جدائی کی گھڑی
ہر طرف کیف لیے اپنا ملن آئے گا

کس قدر سخت ہے پتھر کی گراں سل کی طرح
دل، کہ جو نازکیٔ سوز سے مانوس نہیں
جس میں برفاب فضاؤں کا فسوں طاری ہے
جس میں اک رنجشِ بے جا کے سوا کچھ بھی نہیں

تو مگر درد کو اُلفت کا سہارا دے دے
اور اظہار جب احساس کا دامن تھامے
تو بھی ہر سوزشِ پنہاں کو فروزاں کردے
ہاں ابھی اور ابھی اور خلش بڑھنے دے

تجدیدوفا

(ولیم کوپر کی نظم کا منظوم ترجمہ)

کس قدر سخت ہے رفتارِ زمانہ کچھ سوچ
اس کے دھارے پہ مسرت کا گزر بھی تو نہیں
غم و اندوہ کے تاریک گھنے سایوں میں
کہیں ہم پیار کی گھڑیوں کو نہ ضائع کردیں
اپنی سیمابیٔ فطرت سے کنارا کرلے
چند لمحے ہیں یہی پیار بھرے اپنے رفیق
ان کو ٹھکرا کے ہمیں چین نہ مل پائے گا
دامنِ غم کا کوئی چاک نہ سل پائے گا
تیری آنکھیں کہ جنھیں پیار کیا ہے میں نے
جن پہ ٹھہری ہیں نگاہیں میری اکثر جاکر
میری جرأت پہ نہ روٹھیں گی یقیں ہے مجھ کو
اُن کے آنچل میں کوئی غم نہیں لہرائے گا

میری بے باکیاں، معلوم ہے مجھ کو اے دوست
تجھ کو نفرت پہ نہ مجبور کریں گی ہرگز
آج بھی تیرے کرم پر ہے بھروسہ مجھ کو
آج پھر تیری عنایت کا طلب گار ہوں میں

آ، شب و روز کو رنگین بنالیں کچھ دیر
ساری بے کیفئ ایام مٹالیں کچھ دیر
تجھ سے دوری میں تباہی کے سوا کچھ بھی نہیں
اک شکایت کی سیاہی کے سوا کچھ بھی نہیں

جب کے آلام و مصائب ہیں مقدر اپنا
دامنِ ضبط کو ہم ہاتھ سے کیوں جانے دیں
وقت نے ہم کو سنبھلنے کی اجازت دی ہے
کیوں گزر جائیں زمانے سے کنارا کرکے

زمانہ گزرا مگر میں فرار پا نہ سکا
وہ التفات کا لمحہ عجیب بندھن ہے

تیاگی مرادآبادی

وجے پرکاش تیاگی۔ تیاگی تخلص ۳؍جنوری ۱۹۳۸ء کو پیدا ہوئے۔ والد کا نام شری جگدیش نرائن تیاگی تھا۔ بی اے بی ٹی کرنے کے بعد تعلیم و تعلم کے پیشے سے وابستہ ہوئے۔ مقامی ایچ ایس بی انٹر کالج میں تدریسی خدمات انجام دیتے ہوئے ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ ذہن ادب کی طرف مائل تھا۔ شعر و شاعری کا ذوق رکھتے تھے۔ ۱۹۸۰ء سے باقاعدہ شعر گوئی کا آغاز کیا اور حضرت گوہر عثمانی کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہوگئے۔ ذوق سخن کو نکھارنے کی غرض سے اُردو لکھنا اور پڑھنا بھی سیکھی۔ اُتر پردیش لٹریری فورم کے جوائنٹ سکریٹری اور اُتر پردیش اُردو اکادمی کے ممبر بھی رہے۔ کوئی مجموعہ شائع نہیں کیا۔ 'ہمارا دور' دہلی، 'ملاپ'، 'پرتاپ' اور 'تیج' وغیرہ رسائل اور اخبارات میں بھی کلام شائع ہوا۔ نام و نمود سے دور اُتّم بھون، سرائے کوٹھی والان مرادآباد میں رہتے ہیں۔

(چراغ شہر جگر کے ص ۳۰۶)

ذیل میں اُن کا منتخب کلام پیش کیا جا رہا ہے:

●

نظر کو حسنِ جمال دے دو، غزل کو فکرِ شباب دے دو
تمہاری محفل میں آگیا ہوں، شعور دے دو شراب دے دو

اگر مقدر میں میرے غم ہیں تو غم اُٹھانے کی تاب دے دو
جو سوز بخشا ہے دل کو میرے، نظر کو بھی اضطراب دے دے

نظر سوالی اُٹھی ہے مجھ پر، تمہاری بستی میں اجنبی ہوں
زمانہ جتنے سوال پوچھے مری طرف سے جواب دے دو

سکوں کے بدلے تڑپ کو چاہا چمن کے بدلے قفس سراہا
یقین نہ ہو تو مرے جنوں کا حیاتِ غم کو حساب دے دو

اداشناسِ مزاج کہیے کہ ناشناسِ مزاجِ اُلفت
مجھے تو تم سے ہے اک عقیدت جو چاہو مجھ کو خطاب دے دو

بقدرِ ظرفِ جنوں تو وحشت سبھی کو ملتی ہے غم کدوں میں
اگر مرا ظرف دیکھنا ہے تو وحشت بے حساب دے دو

مرے سوالوں پہ اس طرح سے خموش آخر رہو گے کب تک
لبوں کو جنبش نہ دے سکو تو نظر سے ہی کچھ جواب دے دو

صنم پرستی کا جرم لے کر کھڑا ہے تیاگی جھکائے سر کو
تمہارے مندر، تمہاری مسجد، عذاب دے دو یا ثواب دے دو

●

پھول میں خوشبو نہیں ، احساس میں ہلچل نہیں
سب ہوا کے دوش پر ہیں کوئی بھی پیدل نہیں

دل کی دھڑکن پر بھی کوئی تبصرہ فرمایئے
یہ تبسم تو مری وحشت کا کوئی حل نہیں

ہے یہاں ہر شخص کو آزادیٔ ذہن و خیال
یہ فرازِ آرزو ہے دوستو! مقتل نہیں

شبنمی پلکیں بہا کر لے گئیں شاید اُسے
آج اُن کی جھیل سی آنکھوں میں بھی کاجل نہیں

آج کی افسردگی پر آج ہی کچھ سوچیے
آج جو کچھ سوچ سکتے ہو وہ ممکن کل نہیں

ہوگئی دُشوار تیاگی منزلِ راہِ وفا
جب سے ہاتھوں میں تمہارا ریشمی آنچل نہیں

●

سرِ محفل وفا کا حوصلہ ٹوٹا تو کیا ہوگا
تصادم بھی نگاہوں کا نہ کام آیا تو کیا ہوگا

مقابل دفعتاً آجائے آئینہ تو کیا ہوگا
نظر ایسے میں مجھ کو چھوڑ دے تنہا تو کیا ہوگا

محبت میں یہ مانا ضبط بھی اک شرطِ اوّل ہے
مگر ساون کوئی پلکوں پہ آ ٹھہرا تو کیا ہوگا

کسی اخبار کی جیسے کہانی ہو کہ افسانہ
مرے حالات پر بھی اس طرح سوچا تو کیا ہوگا

مجھے تسلیم ہے غم اک عبادت ہے محبت میں
اگر غم بھی محبت میں نہ راس آیا تو کیا ہوگا

وہ گیتوں کی سریلی دھن کہاں تیاگی بکھیر آئے
مری بستی کے لوگوں نے اگر پوچھا تو کیا ہوگا

●

اب تک تو لکھتے آئے تھے ہم چاندنی کی بات
اب فکر یہ ہے ڈوبتے سورج کو کیا لکھیں

آنسو مرے نکل پڑے آج اُن کی آنکھ سے
ہم واقعہ لکھیں کہ اسے حادثہ لکھیں

میں بھی ہوں میری فردِ وفا بھی ہے میرے ساتھ
ب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کیا فیصلہ لکھیں

●

ابھی تو خوش تھا ابھی اشکبار لگتا ہے
یہ آدمی تو بڑا ہوشیار لگتا ہے

اُسے نہ دیکھ جو تیری طرف مخاطب ہے
اُسے سمجھ جو تجھے ناگوار لگتا ہے

تمہیں دکھائے گا کیسے یہ وقت کا چہرہ
یہ آئینہ تو ہمیں داغ دار لگتا ہے

جو دیکھیے تو وہ اک پھول ہے گلستاں کا
جو سوچیے تو مجسّم بہار لگتا ہے

وہ دل ہو آنکھ ہو احساس ہو تصور ہو
ہر آئینے پہ مجھے اک غبار لگتا ہے

●

اب تو اسے نہ سمجھے تو خالق کا کیا قصور
یہ زندگی ہے درسِ مکمل ترے لیے

فکر و نظر، شعور و جنوں ، سوز و اضطراب
لایا ہوں آج سب سرِ مقتل ترے لیے

روزِ ازل جو لکھ دیا مقسوم میں ترے
آخر ترے لیے ہے وہ اوّل ترے لیے

تیاگیؔ سرِ نیاز جھُکا کر دُعائیں مانگ
کاشی سے اُڑ کے آیا ہے بادل ترے لیے

فگارؔ مرادآبادی

ستیش کمار گپتا ولد شری بھگوت سرن گپتا، تخلص فگارؔ ۲۵ رجنوری ۱۹۴۱ء کو مرادآباد میں پیدا ہوئے اسی لیے اپنے نام کے ساتھ مرادآبادی کا لاحقہ لگاتے ہیں۔ حضرت شہبازؔ امروہوی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ ان کے بعد محمودؔ مرادآبادی سے بھی استفادہ کیا۔ ایم اے تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد ایل ایل بی کر کے وکالت کو ذریعہ معاش بنایا۔ مرادآباد کی ادبی تنظیم کیف میموریل سوسائٹی کے رکن ہیں۔ اُردو شاعری سے فطری لگاؤ ہے۔

اُردو اور ہندی دونوں زبانوں میں مشق سخن کرتے ہیں۔ انھیں کم و بیش تمام ہی اصناف سخن پر عبور حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں نظم، قطعات، مثنوی وغیرہ کے نمونے بھی ملتے ہیں لیکن ان کا اصل میدان غزل ہی ہے۔

فگارؔ کے درج ذیل شعری مجموعے منظر عام پر آ چکے ہیں :

(۱) فکر جمیل (ہندی) ۱۹۸۶ء

(۲) خوابِ پریشاں (اُردو) ۱۹۸۷ء

(۳) عکسِ جمال (اُردو) ۲۰۰۵ء

(۴) کوثر مدحت (مجموعہ نعت و مناقب) ۲۰۰۷ء

(۵) فکر جمیل (اُردو) ۲۰۱۱ء

(۶) کسک (ہندی) ۲۰۱۰ء

(۷) بھیگے نین (ہندی) ۲۰۱۴ء

مذہبی اعتبار سے فگار آریہ سماجی ہیں لہٰذا مورتی پوجا کے خلاف ہیں۔ تاریخ اسلام فگار کے مطالعے کا خاص موضوع ہے۔ رسول اکرم کے چچا ابوطالب سے خاص لگاؤ رکھتے

ہیں لہٰذا اس سلسلے میں ایک نثری کتاب دیوناگری رسم الخط میں ''محسن اسلام'' کے نام سے ۲۰۱۵ء میں شائع کر چکے ہیں۔ مرادآباد کے پہلے ہندو شاعر ہیں جن کا نعتیہ و منقبتی مجموعہ منظر عام پر آیا۔ اس مجموعے پر مرادآباد کی معروف ادبی تنظیم ''حمد و نعت فاؤنڈیشن'' نے فخر ملت مولانا محمد نذیر الاکرم ایوارڈ سے سرفراز کیا۔

ہندی ان کی مادری زبان ہے اور اُردو اکتسابی اس کے باوجود اُردو میں زبان و بیان پر قدرت حاصل ہے۔ سلاست و روانی، فصاحت و بلاغت کے عمدہ نمونے ان کے یہاں ملتے ہیں۔ پہلے چند اشعار ان کے نعتیہ مجموعے ''کوثر مدحت سے ملاحظہ کیجیے:

تمہارے کرم سے زمانے کی گردش
مرے پاؤں چھو کر چلی جا رہی ہے

غلاموں کو آزادیاں مل رہی ہیں
کہ رسمِ کہن اب اُٹھی جا رہی ہے

جو کانٹوں بھری تھی اب اُن کے ہی دم سے
وہ پھولوں کی وادی بنی جا رہی ہے

درِ مصطفیٰ پر فگارؔ اللہ اللہ
مرادوں سے جھولی بھری جا رہی ہے

انسان کو واقف کیا انسان کے حق سے
تم عالمِ انساں کے مددگار و معیں ہو

اللہ کی آواز ہے آواز تمہاری
تم فرش نشیں ہوتے ہوئے عرش مکیں ہو

کونین کی تخلیق کا ساماں ہی نہیں تم
کونین کی تخلیق کا باعث بھی تمھیں ہو

انتخاب از خوابِ پریشاں:

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ فگارؔ صاحب کے چھ شعری مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں۔ چونکہ یہاں صرف تذکرہ مقصود ہے کوئی مفصل مضمون یا تنقیدی جائزہ پیش نہیں کیا جارہا ہے اس لیے پہلے مجموعے ''خوابِ پریشاں'' سے غزلوں اور نظموں کا انتخاب پیش کرنے پر اکتفا کیا جارہا ہے۔

دیوانگانِ عشق کی نظروں میں زندگی
ہر غم کو ہنستے ہنستے اُٹھانے کا نام ہے

اس سے قدم ملا کے چلو راہِ زیست میں
یہ زندگی فگار بہت تیز گام ہے

یوں گردشِ زمانہ کی رفتار موڑ دے
فرسودہ رسم و راہ کی زنجیر توڑ دے

ناکامیٔ حیات س گھبرا نہ جا فگارؔ
طوفان و حادثات کا پنجہ مروڑ دے

خنجر چنگیز بھی بیتاب ہوکر رہ گیا
ہم غریبوں پر مظالم اس قدر ڈھائے گئے

تو روز مظالم ڈھائے اور مظلوموں کا میں ساتھ نہ دوں
یہ بات کسی قیمت پر بھی اے دوست مجھے منظور نہیں

میں گردشِ وقت سے گھبرا کر حالات سے سمجھوتہ کرلوں
یہ کام تو اہلِ ہوش کا ہے دیوانوں کا دستور نہیں

ہر شخص آج کہنے لگا ہے مجھے فگارؔ
زخم اپنے دوستوں سے مجھے اس قدر ملے

اندھیری رات کا آنچل سرکنے والا ہے
نئی حیات کا سورج چمکنے والا ہے

برسیں گے پھول آپ کے ہونٹوں سے ہر گھڑی
پہلے حسد کے کانٹے دلوں سے نکالیے

ملک میں تیرگی چھائی ہے ہر طرف
اپنا گھر پھونک دے روشنی کے لیے

قربانیوں سے ہوتی ہے تعمیر قوم کی
لاکھوں کا خون بہتا ہے اک انقلاب میں

ہونا ہے کامیاب اگر راہِ زیست میں
جو کام آج کرنا ہے کل پر نہ ٹالیے

اربابِ عمل ہی دُنیا کو تدبیر بتایا کرتے ہیں
وہ لوگ ہیں یہ جن کے آگے تقدیر کا سر خم ہوتا ہے

غور اس پہ کیجیے کہ ہوئی کیوں شکستِ فاش
کتنے کیے ہیں معرکے سر بھول جایئے

وہ حسن نہیں ہے حُسنِ کامل جو اپنے تئیں مغرور نہیں
وہ عشق نہیں ہے عشقِ محکم جو غرض وطلب سے دور نہیں

میرے لیے آرام گہِ دل
تیری گھنی زلفوں کے سائے

گل تو گل خار نکھرتے ہوں گے
جب وہ گلشن سے گزرتے ہوں گے

ہم کیا کریں گے جا کے کسی بارگاہ میں
جب تم سما چکے ہو ہماری نگاہ میں

اک تیرے التفات نے دشمن بنا دیا
اب تک کھٹک رہا ہوں جہاں کی نگاہ میں

ہرگز نہ دے سکے گا زمانہ اُسے فریب
جس نے فریب راہِ محبت میں کھا لیے

ان کے دامن کی جن کو ہوا مل گئی
اُن مریضوں نے اپنی دوا چھوڑ دی

وہ بارِ حیا سے جھکے جا رہے ہیں
میں شوق مجسم بنا جا رہا ہوں

نظمیں

یہ میری پہلی ملاقات تم سے ہے لیکن
اسے حیات کا حاصل سمجھ رہا ہوں میں
تمہارے پاس مجھے یہ گماں گزرتا ہے
کہ اپنی منزلِ ہستی کو پا گیا ہوں

(پہلی ملاقات)

میں تجھے گیت سناؤں تو مجھے گیت سُنا
میں ترے ساز پہ گاؤں تو مرے ساز پہ گا
میری ہو جا مری محبوب مجھے اپنا بنا
اپنی آغوش کو وا کر مری باہوں میں مچل
میں ترا شاہ جہاں تو مری ممتاز محل

(میں ترا شاہجہاں تو مری ممتاز محل)

بیٹھے ہو کیسے گم سم سے تم، بکھری بکھری زُلفیں ہیں
سوکھے سوکھے لب ہیں تمہارے، بھیگی بھیگی پلکیں ہیں
میری طرح اب تم بھی شاید تارے گنتے رہتے ہو
مجھ سے تمہاری چغلی کرتی جاگی جاگی آنکھیں ہیں
(جاگی جاگی آنکھیں)

ویران میرے دل کی طرح راستے ہیں سب
میرا یہ شہر شہرِ خموشاں ہے ان دنوں
سُنتا ہے سنکھ اور اذاں رات دن مگر
آوازِ دل سے بے خبر انساں ہے ان دنوں
ہر غنچہ غم زدہ ہے ہر اک گل اداس ہے
بدلا ہوا نظامِ گلستاں ہے ان دنوں
(ان دنوں)

دل بجھا، چہرہ بجھا، نظریں بجھی دیکھا کیے
ہر قدم پر بے بسی و بے کسی دیکھا کیے
میکدے میں خون پانی کی طرح بہتا رہا[
ساقیِ فیّاص کی دریا دلی دیکھا کیے
(دیکھا کیے)

ایٹم بموں کا خطرہ منڈلا رہا ہے سر پر
ہندوستان لیکن دارالاماں رہے گا
ہر گز نہیں ہے مقصد بھارت کا ملک گیری
دُنیا میں شانتی کا یہ پاسباں رہے گا
(ہندوستان رہے گا)

اونکار سنگھ اونکاؔر

نام اونکار سنگھ اور تخلص اونکاؔر والد کا نام ٹھا کر بھارت سنگھ ۴؍جولائی ۱۹۵۰ء کو ڈلاری ضلع مرادآباد کے گاؤں چنگیری میں پیدا ہوئے۔انٹرمیڈیٹ تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد محکمہ بجلی،اعظم گڑھ میں کلرک ہو گئے میں ملازم ہوئے۔شعروشاعری اور علم وادب کے بچپن سے شائق تھے۔اپنے ہم عمر چچا کی تحریک پر جن وادی ادب پڑھنے کا شوق پیدا ہوااور پھر رفتہ رفتہ یہ چیز ان کے دل و دماگ میں بس گئی۔۱۹۸۰ء میں مزدور یونینوں کے جلسوں میں اپنی لکھی ہوئی نظمیں پڑھنا شروع کردی تھیں۔جب اس شوق نے طبیعت کو سخن گوئی کی طرف مائل کیا اساتذہ ادب سے رجوع کیا۔وہ خود لکھتے ہیں:

''میری ملاقات جناب طاہر حسین ماہرؔ سے ہوئی جو ہمارے محکمۂ بجلی میں جونیئر انجینئر تھے۔بہت اچھے انسان ہونے کے ساتھ ساتھ بہت اچھے شاعر بھی ہیں۔یوں تو میں اُن سے ۱۹۷۸ء سے واقف تھا لیکن اُن کی شاعری کے ہُنر سے واقف نہ تھا۔میں نے اُنھیں اپنی نظمیں سُنائیں تو اُنھوں نے مجھے پیار سے سمجھایا کہ قافیوں میں کچھ کمی ہے۔اُنھوں نے غزل لکھنے کے بارے میں مجھے کچھ بنیادی باتیں بتائیں اور میں نے اپنی غلطیوں کو دور کیا۔اس طرح غزل لکھنے کی شروعات ہوئی۔لیکن پھر بھی غزل میں کچھ خامیاں رہ جاتی تھیں۔اس پر ماہرؔ صاحب نے مجھ سے کہا کہ غزل کہنے کے لیے اُردو جاننا ضروری ہے۔اُنھوں نے مجھے اُردو کی پہلی کتاب لاکردی۔میں نے اُس سے اکشر گیان حاصل کیا اور ایک کے بعد ایک کتاب پڑھتا رہا،میں جناب ماہر صاحب کا شکر گزار ہوں۔

اس کے بعد ۱۹۹۰ء میں میری ملاقات اُردو غزل کے نام ور اُستاذ شاعر حضرت ناظم قریشی صاحب (مرحوم) سے ہوئی۔اُس مشاعرے میں میری غزل

سُن کر اُنھوں نے اپنی محبت سے نوازا اور مجھے اپنے گھر پر ہی ہر ہفتے ہونے والی شعری نشستوں میں شامل ہونے کے لیے کہا۔ اس طرح میں بزمِ ناظم قریشی کا ممبر بن گیا۔ بزمِ ناظم قریشی کی ہفتے میں دو نشستیں ہوتی تھیں۔۔۔۔۔ایک اتوار کو اور دوسری جمعرات کو۔۔۔۔اتوار کو فی البدیہہ شعری نشست ہوتی تھی۔۔۔ میں دونوں پہ نشستوں میں لگاتار شامل ہوتا رہا اور شعر کہنے کی باریکیاں سیکھتا رہا۔۔۔''

(سنسار ہمارا ہے ص ۱۸۔۱۷)

جن وادی ادب کی طرف مائل ہونے کے ناطے ۱۹۹۲ء میں ''جن وادی لیکھک سنگھ'' کے ممبر بن گئے۔ ہمیشہ سماج کے دبے کچلے اور پسماندہ طبقات کی باتے کرتے ہیں۔ نفرت کے اندھیروں کے مخالف اور پیار محبت کا پیام عام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عاجزی اور انکسار ان کی طبیعت کے نمایاں اوصاف ہیں۔ طاہر حسین ماہرؔ نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''سنسار میں امن قائم کنے کے لیے پیار، بھائی چارہ اور نیک کاموں کی ضرورت ہے اور یہ صرف پیار کی روشنی پھیلانے سے ہی ہو سکتا ہے۔ شری اونکار نے اپنی شاعری کے ذریعے یہی روشنی پھیلانے کی کوشش کی ہے، جس کے لیے وہ مبارکباد کے حق دار ہیں۔'' (پیار کے دیپ ص ۲۵)

اُردو زبان کے رموز و اوقاف سے اچھی طرح واقف ہیں، علم عروض کے بھی شناسا ہیں لیکن ابھی تک کوئی مجموعہ اُردو زبان میں شائع نہیں کیا بلکہ دیوناگری رسم الخط میں غزلوں کے دو مجموعے 'سنسار ہمارا ہے (۲۰۰۸ء)' اور پیار کے دیپ (۲۰۱۲ء) شائع ہو چکے ہیں غزل کے علاوہ ہندی کی اصناف مکتک، گیت اور دوہا وغیرہ پر بھی دسترس حاصل ہے۔ ذیل میں ان کی غزلوں کا انتخاب پیش کیا جا رہا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

''سنسار ہمارا ہے'' سے انتخاب

یوں کوئی دیپ محبت کا جلایا جائے
دوستو! جس کا زمانے میں اُجالا جائے

دل کی کشتی ہے گھری وقت کے طوفانوں میں
غرق ہونے سے بھلا کیسے بچایا جائے

خون انسان کا جو چوس کے پھولی ہے بہت
ایسی جونکوں کا نشاں جڑ سے مٹایا جائے

زہر نفرت کا جو انساں کے لہو میں گھولیں
ایسے ناگوں سے اب انساں کو بچایا جائے

مسئلہ حل کوئی بندوق نہیں کرسکتی
کیوں نہ حل بیٹھ کے آپس میں نکالا جائے

نت نئے رنگ ہوں خوشبو بھی ہو پیاری پیاری
ایسے پھولوں سے ہی گلدستہ سجایا جائے

جس سے لوگوں کے دماغوں میں ہو نفرت پیدا
ایسی باتوں کو نہ اب شعروں میں ڈھالا جائے

پیار کی جوت ہر اک دل میں جلا کر اونکار
جگ سے نفرت کے اندھیروں کو مٹایا جائے

ایک ہوکر ہم لڑیں جو مشکلاتِ دہر سے
خوش نما ہوجائے گا پھر زندگانی کا سفر
ہم کو حیرت سے زمانہ دیکھتا رہ جائے گا
رنگ لائے گا ہماری جاں فشانی کا سفر

مجھے قبیلوں میں بانٹا گیا ہے کچھ ایسے
کہ ریزہ ریزہ زمیں پر بکھر رہا ہوں میں
تمام شہر ہی اب حادثوں کی زد میں ہے
سکوں سے دور ہوں قسطوں میں مر رہا ہوں میں

محفوظ آج اپنے ہی گھر میں کوئی نہیں
جو کچھ حفاظتیں ہیں وہ سرکار کے لیے
مجبوریاں غریب کی اُن سے کہے گا کون
اخبار بھی ہیں آج تو زردار کے لیے

ظلم والوں سے دہشت گری چھیں لو
پنجۂ موت سے زندگی چھین لو
جن کی فطرت میں تخریب کاری فقط
اُن سے محفل محبت بھری چھین لو
چھینتی ہے جو ہم سے اُجالے سدا
شب کے دامن سے وہ تیرگی چھین لو

زُلف و رُخسار پر ہی نہیں منحصر
ہے بہت کچھ ابھی شاعری کے لیے

''پیار کے دیپ'' سے انتخاب

پیار کے دیپ جلاتے ہوئے چلنا ہوگا
اب اندھیروں کو اُجالوں میں بدلنا ہوگا

ہیں جو درکار گلستاں کی بہاریں تم کو
پہلے بارود کے جنگل سے نکلنا ہوگا

ناز پتھر کے جگر پر ہے اگر ظالم کو
مونگ تم کو بھی اُسی سینے پہ دلنا ہوگا

دوستی کی ہے اگر آج تمنّا ہم سے
راستہ ظلم کا تم کوبھی بدلنا ہوگا

خود کو دُنیا کی فضاؤں میں بسانے کے لیے
آج خوش بو کو گلستاں سے نکلنا ہوگا

لوگ جو فیض اُٹھاتے ہیں لڑا کر ہم کو
اُن کے ناپاک ارادوں کو کچلنا ہوگا

ہر طرف گونج ہے آہوں کی فضا میں یارو
اب تو پتھر کے دلوں کوبھی پگھلنا ہوگا

گر زمانے کو بدلنے کی ہے دل میں حسرت
پہلے اونکارؔ تمھیں خود کو بدلنا ہوگا

غریبی، بھُک مری، بے روزگاری، آبروریزی
نہ جانے اور کیا کیا آج کا بازار دیتا ہے

مشکلوں کا حل نکالیں آؤ مل کر ہم سبھی
کیوں دُکھوں میں مبتلا ہوں راستہ ہوتے ہوئے
پیار کی فصلیں اُگیں نفرت مٹے سنسار سے
ہم کو بھی خوشیاں ملیں سب کا بھلا ہوتے ہوئے

اس قدر لوگ اندھیروں کے طرف دار ہوئے
ایسا لگتا ہے اُجالوں کا سفر بھول گئے
میں نے ہر طور محبت کے اُجالے دیکھے
اور تم میرے اُجالوں کا نگر بھول گئے

رات کے اندھیرے میں زندگی نہ کھوجائے
اس لیے ضروری ہے زندگی چراغوں کی
اک دیا جلاؤ تم ایک میں جلاؤں گا
آئے گی نظر سب کو روشنی چراغوں کی

جہالتوں کے اندھیرے کہیں نہ رہ جائیں
چراغ علم کا ہر سو ہمیں جلانا ہے
آؤ ہم اپنے آپ کی منزل تلاش لیں
رہبر تو راستوں سے بہت دور ہوگئے

جھونپڑے ہوں کہ محلّات مہک جاتے ہیں
پیار وہ شے ہے کہ دن رات مہک جاتے ہیں

علم سے دور ہوں تعلیم نہیں پاس میرے
میں تو بس اک محبت کا ہُنر رکھتا ہوں
مشکلیں مجھ کو بھلا کیسے ڈرا پائیں گی
دل ہے فولاد تو پتھر کا جگر رکھتا ہوں
کون کرسکتا ہے اونکارؔ عداوت مجھ سے
اپنے جذبوں میں محبت کا اثر رکھتا ہوں

جانتے ہیں یہ سبھی بس ایک ہے سب کا خدا
پھر بھی ہوتی ہے لڑائی رام کی رحمان کی
اب درندوں کی حفاظت میں لگے ہیں لوگ سب
ہے مگر پرواہ کس کو آدمی کی جان کی

لُٹتی ہے روز و شب سرِ بازار آبرو
اس دورِ ارتقا کی کرامات دیکھیے
آنسو لہو کے ہم نہ بہائیں تو کیا کریں
حاکم بنے ہیں اہلِ خرابات دیکھیے

کسی کے گھر کو جلانے والے، ہر اک پڑوسی کو ہے یہ لازم
بغل کے گھر کی لپٹ سے وہ بھی خود اپنے گھر کو بچا نہ سمجھے

نازؔ: کرشن کمار

کرشن کمار نازؔ کی پیدائش ۱۰ر جنوری ۱۹۶۱ء کو مرادآباد کے 'کوری ورانہ' گاؤں میں ہوئی۔ والد کا نام شری رام گوپال ورما تھا۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں ہی حاصل کی۔ چھٹی جماعت میں پارکر انٹر کالج میں داخلہ لیا اور آگے کی تعلیم شہر مرادآباد میں ہی رہ کر حاصل کی۔ آپ نے سماجیات، اُردو اور ہندی یعنی تین مضامین میں ایم اے کیا اس کے بعد اپنے استاذ جناب کرشن بہاری نورؔ پر ہندی میں تحقیقی مقالہ بعنوان ''ہندی غزل اور کرشن بہاری نور'' لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ آج کل گنّا وکاس سنستھان میں سینئر کلرک ہیں۔

ناز صاحب کو بچپن سے ہی گانے کا شوق تھا اور یہ شوق ہی انھیں شاعری کی شاہ راہ تک لے آیا۔ اپنے اس ذوق کی تکمیل کے لیے اپنے گاؤں کے مدرسے کے مولوی صاحب ست اُردو کی تعلیم حاصل کی۔ ابتدا میں کچھ اشعار لکھ کر مولوی صاحب کو دکھائے تو اُنھوں نے اس فن سے ناواقفیت کا عذر پیش کرتے ہوئے اپنے دوست رام کمار ورما غم بجنوری سے ملاقات کرائی۔ حالانکہ یہ تعلق چند ملاقاتوں سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ بعد میں نازؔ صاحب، جناب کرشن بہاری نورؔ سے متاثر ہوئے اور ۱۹۸۹ء باقاعدہ اُن کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ اور رفتہ رفتہ نازؔ اُن کے نورِ نظر بن گئے۔ اس ادبی رشتے نازؔ کو بھی ناز ہے۔ نورؔ صاحب کے حضور نازؔ صاحب کی سعادت مندی اُن کے اس بیان سے ظاہر ہوتی ہے:

> ''نور صاحب نے جو غزل کی تہذیب، سلیقہ اور ندرت اپنی مہکتی اور جگمگاتی ہوئی گفتگو سے مجھ پر عیاں کی ہے، اُسی کو بنیاد مان کر شعر کہہ لیتا ہوں، جب بھی کسی کو میرا کوئی شعر پسند آتا ہے اور کوئی تعریف یا حوصلہ افزائی کرتا ہے تو اسے نور صاحب کا نور مان کر ناز کر لیتا ہوں۔ اس لیے کہ میرے پاس ناز کرنے لائق اگر کچھ ہے تو وہ نورؔ صاحب سے میرا ادبی رشتہ ہی ہے، جس کی بدولت میں خود ناز کہلایا جاتا ہوں۔ اور مجھے اس رشتے پر ہمیشہ ناز رہے گا۔'' (اکیسویں صدی کے لیے ص ۱۱)

ناز صاحب کی درج ذیل کتابیں منظر عام پر آ کر مقبول ہو چکی ہیں:

(۱) اکیسویں صدی کے لیے (پہلا مجموعہ غزلیات) اُردو میں

(۲) گُن گُنی دھوپ (مجموعہ غزلیات) ہندی

(۳) من کی سطح پر (گیتوں کا مجموعہ) ہندی

(۴) جیون کے پری درشیے (ناٹکوں کا مجموعہ) ہندی

(۵) اُگا ہے پھر نیا سورج (مجموعہ غزلیات) ہندی

(۶) ہندی غزل اور کرشن بہاری نورؔ

(۷) ویا کرن غزل کا

جیسا کہ مندرجہ بالا فہرست کتب سے ظاہر ہے کہ نازؔ صاحب پہلودار شخصیت کے حامل ہیں۔ نظم کے ساتھ ساتھ نثر نگاری پر بھی دسترس رکھتے ہیں لیکن اُن کا اصل میدان شاعری ہے۔ اُنھوں نے شاعری کی کئی اصناف میں کامیاب طبع آزمائی کی ہے لیکن ان کی پسندیدہ صنف سخن غزل ہی رہی۔ غزل سے اپنی وابستگی اور مقبولیت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''غزل آج اُردو کی سب سے زیادہ اثر کن اور مقبول عام صنف سخن ہے۔ یہ اس کی مقبولیت کی ہی دلیل ہے کہ آج اُردو شاعری کا مطلب ہی غزل سمجھا جانے لگا ہے ، بڑی سے بڑی بات کو شاعر ایک شعر یعنی دو مصرعوں میں کہہ دیتا ہے، اتنا اجمال کسی دیگر صنف سخن میں کہاں ہے۔۔۔۔ دیکھا جائے تو غزل چند اشعار کا چھوٹا سا مجموعہ ہے اور سوچا جائے تو یہی مجموعہ خیالات کا بحر اعظم ہے۔'' (بات بولے گی ص ۲۰۱)

ناز صاحب کی غزل گوئی کا آغاز اُردو سے ہوا اور اُن کا پہلا مجموعہ کلام ''اکیسویں صدی کے لیے'' بھی اُردو میں ہی چھپا لیکن اس کے بعد کی تخلیقات ہندی یعنی دیوناگری رسم الخط میں ہی شائع ہوئیں۔ حالانکہ ناز صاحب ہندی اور اُردو میں فرق کے قائل نہیں ہے۔ اُن کا ماننا ہے کہ:

''ہندی کے معنی نے ہیں ہند میں پیدا ہوئی بھاشا اور اُردو بھی ہندوستان میں ہی پیدا
ہوئی ہے۔ میں تو اُردو کو ہندی کا ہی حصہ مانتا ہوں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک ہی
بھاشا کے دو رسم الخط ہیں دیوناگری اور فارسی۔'' (بات بولے گی ص ۲۰۰)

نازؔ صاحب علم عروض کے بھی اچھے جانکار ہیں اور تخلیق شعر کے لیے اسے لازم سمجھتے ہیں۔'ویا کرن غزل کا' اسی مقصد کے پیش نظر لکھی گئی ہے۔ شاعری کے دیگر محاسن وعیوب پر بھی ان کی گہری نظر ہے۔

ناز صاحب آپنے اُستاذ نورؔ صاحب کی طرح اعلیٰ خیالات اور بلند فکر کے حامل ہیں ۔ نیز یہ کہ غزلوں میں ہندوستانی بھاشا کا استعمال کرنا ان کی فطرت میں شامل ہے۔ وہ غزل میں نہ تو عربی وفارسی آمیز الفاظ وتراکیب استعمال کرتے ہیں اور نہ ہی سنسکرت بنام ہندی کے استعمال کے قائل ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں ان کے پہلے مجموعہ کلام ''اکیسویں صدی کے لیے'' کا انتخاب کلام:

نعت

کتنی بے نور سی لگنے لگی دُنیا مجھ کو
جب سے خوابوں میں نظر آیا مدینہ مجھ کو
جب بھی نام آپ کا لے کر میں اُٹھاتا ہوں قدم
راہ دے دیتا ہے بہتا ہوا دریا مجھ کو
ذہن کیا چیز ہے سانسیں بھی مہک جاتی ہیں
یاد جب آتا ہے گلزارِ مدینہ مجھ کو
جیت لوں میں بھی حقوق اور فرائض کی جنگ
حوصلہ دیجیے ایسا مرے مولا مجھ کو
روشنی کچھ تو نگاہوں کو عطا فرمادیں
جاگتے سوتے دکھا دیجیے جلوہ مجھ کو

نازؔ ہونٹوں پہ محمد کا نہیں یوں ہی نام
چاہیے تھا کوئی مضبوط سہارا مجھ کو

انتخابِ غزلیات

اُپاسنا ہے مری ایسے آدمی کے لیے
خدا کے بعد جو قابل ہے بندگی کے لیے
وہ چند قدریں جو تہذیب کی بچی ہیں ابھی
چھپائے پھرتا ہوں اکیسویں صدی کے لیے
دُعائیں اس کی نہ کیجے کہ عمر بڑھ جائے
دُعائیں مانگیے جیون میں شانتی کے لیے
تمہارے بعد تمہاری تلاش ہوگی نازؔ
جلا کے رکھ دو چراغوں کو روشنی کے لیے

●

بے تحاشا طنز کرتا ہے دیے پر آج تک
ایک ٹکڑا تیرگی کا پاؤں سے لپٹا ہوا
میں ندی ہوں ،تو سمندر فرق بس اتنا ہی ہے
ہر گھڑی میں ہوں سفر میں ، اور تو ٹھہرا ہوا
زندگی تیری حقیقت سے میں ناواقف نہیں
جانے کتنی بار کا یہ خواب ہے دیکھا ہوا
زندگی ایسا جزیرہ ہے کہ جس کے ہر طرف
تشنگی کا ہے سمندر دور تک پھیلا ہوا

●

پیڑ اونچے اور سایہ نام کا
پیڑ چھوٹے اور گھنا سایہ بہت
سر پہ سورج تھا تو کچھ ایسا لگا
مجھ سے چھوٹا ہے مرا سایہ بہت

●

سپھل ہو تو ایسی سپھل ہو تپسّیا
مری پیاس کا منتظر ہو سمندر

●

عمل شرط ہے نازؔ یہ جان لو تم
کہ ہے اپنے ہاتھوں میں اپنا مقدر

●

میری بستی کے چراغوں کو بجھانے والے
تھے سبھی لوگ وہ سورج کے گھرانے والے

●

جہاں بھی فن کے رکھوالے ملیں گے
غموں میں زندگی ڈھالے ملیں گے
جلے گا دیپ تو گھر میں یقیناً
در و دیوار تو کالے ملیں گے

●

ہوگیا جو دیوتا بن کر بہت مغرور وہ
ایک پتھر تھا زمانے بھر کا ٹھکرایا ہوا
چھین لی اُس خواب نے ہی روشنی آنکھوں کی نازؔ
جو اُجالوں کے لیے تھا آنکھ میں آیا ہوا

●

جنم جنم سے جہاں کی ہے سادھنا میں نے
اُسی مقام سے دی ہے تجھے صدا میں نے
ہر ایک حرف میں صورت تری اُبھر آئی
غزل کے روپ میں جب بھی تجھے لکھا میں نے
تمہارے ساتھ چلا ہوں تو یہ ہوا محسوس
چلے بغیر کیا طے ہو راستہ میں نے
جہاں کی ٹھوکریں کھا کر بھی جو نہیں ٹوٹا
بنالیا اُسی پتھر کو دیوتا میں نے
یہ کیوں کہ جتنے بھی دُکھ ہیں، ہیں زندگی کے نام
کبھی نہ دیکھی کوئی لاش غم زدہ میں نے
میری تلاش میں دیکھو بھٹک نہ جانا کہیں
ہر ایک راہ میں چھوڑے ہیں نقشِ پا میں نے

●

نشہ دیوانگی کا جس گھڑی اُترا تو یہ جانا
عبادت گاہ تھی جس کو تری محفل سمجھ بیٹھے

●

حوصلے دل میں جب مچلتے ہیں
کچھ نئے راستے نکلتے ہیں
ہم سفر آپ ہو گئے جب سے
غم کھڑے دور ہاتھ ملتے ہیں
تم محبت کو کیا سمجھتے ہو
بے جلائے چراغ جلتے ہیں
کوئی جلتا دیا بجھانا مت
اَن گنت سائے ساتھ چلتے ہیں
دکھ بھی مہماں ہیں کچھ پلوں کے ناز
راتیں ڈھلتی ہیں دن نکلتے ہیں

●

ہر دِشا سگندھت ہے ، ہر طرف اُجالا ہے
آج اُس کی یادوں نے مجھ پہ رنگ ڈالا ہے
مفلسی بلا کیا ہے اُس سے پوچھیے صاحب
جس نے پیٹ بھرنے کو خون بیچ ڈالا ہے
بدلہ اپنے احساں کا عمر بھر نہیں چاہا
سیپیوں نے بچپن سے موتیوں کو پالا ہے
آفتاب کو گھائل کردیا اندھیروں نے
تیرگی کا ہر جانب کیسا بول بالا ہے

●

ناخدا ، ناؤ ، پتوار ، ساحل ہمیں
ایک تم کیا ملے سب سہارے ملے
چاند،سورج،ستارے،گھٹا،چاندنی
جتنے درپن ملے سب تمہارے ملے

●

جسم مجرم ہے اور روح گواہ
زندگی اک بیان ہے پیارے
غم ، خوشی ، آہ ، درد اور آنسو
سب کی اپنی زبان ہے پیارے
تجھ کو سمجھوں،لکھوں، پڑھوں،سوچوں
تو مرا امتحان ہے پیارے
سسکیاں ، آہ ، رنج اور گھٹن
درد کا خاندان ہے پیارے

چاند، سورج، ستارے کچھ تو دے
تو اگر آسمان ہے پیارے
کم نہیں ہوسکی لبوں کی ہنسی
غم کی کیا آن بان ہے پیارے

●

یہ سنسنار کیا ہے ، یہ جیون مرن کیا
تمہاری گلی کے ہیں پھیروں پہ پھیرے

●

ہر ایک بار وہ مہمان بن کے لوٹ آئی
خزاں کو پیار بہت ہے ہمارے گلشن سے

●

سنبھل کر راہ میں چلنا وہی پتھر سکھاتا ہے
ہمارے پاؤں کے آگے جوٹھوکر بن کے آتا ہے

●

صورتِ یار نہ ہو جن کی نگاہوں میں نازؔ
آئینے بھی اُنھیں نظروں سے گرادیتے ہیں

●

کوڑے کے انبار سے پنّی چنتے ادھ ننگے بچّے
پیٹ سے ہٹ کر بھی کچھ سوچیں وقت کہاں مل پاتا ہے
ٹھنڈا چولہا، خالی برتن، بھوکے بچّے، ننگے جسم
سچ کی راہ پہ چلنا آخر ناممکن ہو جاتا ہے

●

اصلی نقلی کے انتر کو آنکھیں کیا پہچانیں گی
مرحم کی پہچان کسی دن زخموں سے کروائیں گے

●

زندگی یہ بتا نام کیا دوں تجھے
آشنا ، اجنبی ، راہ زن ، راہ بر

●

فکر جیون کی ہے انساں کو نہ چنتا موت کی
صرف زیر غور ہے تو روٹیوں کا مرحلہ
سچ کا بوڑھا پیڑ تو پت جھڑ نے ویراں کردیا
جھوٹ کا پودا بہت اس میں پھولا پھلا

●

پے بہ پے کچھ آئینوں سے چوٹ کھا جانے کے بعد
پتھروں کے درمیاں رہنا مجھے اچھا لگا

●

جس کی غم سے نہ ہو شناسائی
آنسوؤں کی زبان کیا جانے
ایک بہتی ہوئی ندی کی نازؔ
ٹھہرا ساگر تکان کیا جانے

●

پتھر سے دیوتا وہ یوں ہی تو نہیں ہوا
گزرا ہے وہ زمانے کے ہر امتحان سے

●

تراشے جانے کی خواہش تو ہے اے نازؔ مجھ میں بھی
میں پتھر ہوں مگر مدت سے دستِ بے ہُنر میں ہوں

اَنکِت گپتا اَنک

نام انکت گپتا اور تخلص انک(अंकित गुप्ता अंक) والد کا نام راج کمار گپتا۔ ۲۰ رفروری ۱۹۸۹ء کوسہارن پور میں پیدا ہوئے۔ مرادآباد کو وطنِ ثانی بنایا اور اب مستقل طور پر یہیں سکونت پذیر ہیں۔ بی ایس سی، بی ایڈ کرنے بعد اُردو سیکھنے کی طرف راغب ہوئے اور اُردو سے ایم اے کیا۔ تلاشِ معاش میں سرگرداں ہیں۔ شاعری کا ذوق ہے۔ اپنے ذوق سلیم کو ہی اپنا رہنما تسلیم کرتے ہوئے ۲۰۰۴ء میں شاعری کا آغاز کیا۔ اُردو میں غزل کے ساتھ ساتھ نظم بھی کہتے ہیں۔ اُردو کے ساتھ ہندی میں بھی طبع آزمائی کرتے ہیں، گیت، دوہا اور ہائیکو ان کی پسندیدہ اصناف ہیں۔ کہانی اور افسانہ نگاری میں بھی دلچسپی ہے۔ اُردو کے سیمناروں میں بھی شرکت کرتے ہیں۔ اس تذکرے میں شامل تمام شاعروں میں سب سے کم عمر ہیں۔ ان کی شاعری کی عمر صرف ۱۱۔۱۰ برس ہے۔ آئندہ کے لیے ان سے بہت کچھ اُمیدیں وابستہ ہیں۔ منتخب کلام ملاحظہ کیجیے:

رنگ گرگٹ سا مجھے پل میں بدلنا آ نہ پایا
دوغلی دُنیا کے نقشِ پا پہ چلنا آ نہ پایا

دل میں رنجش اور لبوں پر جھوٹ کی مسکان ہمیشہ
دوست اے میرے تجھے کیوں کھل کے ملنا آ نہ پایا

حشر تو دیوانگی کا ہر پتنگا جانتا ہے
مدتوں سے پھر بھی اس کو کیوں سنبھلنا آ نہ پایا

زندگی میں طے کیے تھے یوں تو ہم نے بھی اُصول
یہ الگ ہے بات ہم کو اُن پہ چلنا آ نہ پایا

جب چلی وہ انک بس بربادیاں کرتی گئی ہے
آتشِ صحرا کو سورج سا بھی جلنا آ نہ پایا

●

اک مدت میں جا کر ایک نشیمن بنتا ہے
آندھی یہ مغرور اُسے پل میں ڈھاجاتی ہے

اُس کی مرضی سے بنتے ہیں اُس کے سب قانون
اُس کی لاٹھی چلنے پر آواز نہ آتی ہے

جب بھی کوئی خواب حسیں پورا ہونے کو ہو
کیوں یہ حقیقت اپنا کالا روپ دکھاتی ہے

کاش کبھی سنکی طوفاں سمجھے انساں کا درد
اس کی پل کی مستی کتنی ناؤ ڈُباتی ہے

●

عیب اس کے جب اُسے ہم نے گنائے ایک دن
خار اپنی راہ میں خود ہی بچھائے ایک دن

بے وفائی ایک عرصے تک سہی اور چپ رہا
میرے جیسا صبر وہ کر کے دکھائے ایک دن

ساتھ میرا چاہیے پر ہے انا سے پیار بھی
وہ ہے پیاسا وہ کوئیں کے پاس آئے ایک دن

تم قفس مضبوط کرنے میں لگے تو ہو مگر
لے کے پنجرا ہی پرندہ اُڑ نہ جائے ایک دن

وقت رہتے صبر میرا آزمانا چھوڑ دو
اس سے پہلے وقت تم کو آزمائے ایک دن

●

دکھ سے یاری کرلو تم
جیون بھاری کر لو تم

مرد سے آگے وہ نکلی
فتوے جاری کرلوتم
من ہے چنچل بھٹکے گا
پہرے داری کرلوتم

سچ سے وفا سے تم کو کیا
دُنیاداری کرلو تم

انک لگا کر پیار کا روگ
راتیں بھاری کرلوتم

مآخذ ومراجع

۱۸۵۷ء کے مجاہد شعراء	امداد صابری	مکتبہ شاہراہ دہلی
۱۸۵۷ء کے غدار شعرا	امداد صابری	مکتبہ شاہراہ دہلی
اُردو کی نشوونما میں صوفیا کرام کا کام	مولوی عبدالحق	انجمن ترقی اُردو، نئی دلّی
اُگا ہے پھر نیا سورج	کرشن کمار ناز	گنجن پرکاشن میرٹھ
اُردو کے ہندو مثنوی نگار	عطاللہ پالوی	ساہتیہ اکادمی، دہلی
اکیسویں صدی کے لیے	کرشن کمار ناز	مرادآباد
بات بولے گی (ہندی)	یوگیندر ورما ویام	گنجن پرکاش، مرادآباد
پیار کے دیپ (شعری مجموعہ)	اونکار سنگھ اونکار	گنجن پرکاشن، مرادآباد
تاریخ ادب اُردو	سیدہ جعفر، گیان چند جین	این سی پی یو اہل، مئی دہلی
تاریخ جدوجہد آزادی	محبوب حسین سبزواری	اسلامک بک ہاؤس، مرادآباد
تذکرۂ ہندی	مصحفی	یوپی اُردو اکیڈمی لکھنؤ
تذکرہ انتخاب یادگار	امیر مینائی	یوپی اُردو اکیڈمی لکھنؤ
تذکرہ بولائی	-	مکتبہ جنت نشاں مرادآباد
تذکرہ خم خانۂ جاوید	لالہ سری رام	دلی پرنٹنگ پریس ورکس
تذکرہ ریاض الفصحاء	مصحفی	یوپی اُردو اکیڈمی لکھنؤ
تذکرہ ریختہ گویاں	علی الحسینی گردیزی	یوپی اُردو اکیڈمی لکھنو
تذکرہ سخن شعراء	عبدالغفار نساخ	یوپی اُردو اکیڈمی لکھنؤ
تذکرہ سراپا سخن	محسن علی محسن	نول کشور پریس لکھنؤ
تذکرہ شعرائے اُردو	میر حسن	یوپی اُردو اکیڈمی لکھنؤ
تذکرہ شعرائے ہنود	بدھ پرکاش گپتا جوہر دیوبندی	محبوب پریس، دیوبند
تذکرہ شعرائے روہیلکھنڈ	شایاں بریلوی	فرحان پبلیکیشنز کراچی
تذکرہ صبح گلشن	محمد حسن خاں	مطبع شاہجہانی بھوپال

تذکرہ طبقات شعرائے ہند	کریم الدین	یوپی اُردو اکیڈمی لکھنؤ
تذکرہ گلستانِ سخن	صابر بخش	یوپی اُردو اکیڈمی لکھنؤ
تذکرہ گلشنِ بے خار	نواب مصطفےٰ خاں شیفتہؔ	یوپی اُردو اکیڈمی لکھنؤ
تذکرہ گلشن بے خار	مترجمہ حمیدہ خاتون	این سی پی یو ایل، نئی دہلی
تذکرہ گلشن ہند	مرزا علی لطف	یوپی اُردو اکیڈمی لکھنؤ
تذکرہ نکات الشعرا	میر تقی میر	یوپی اُردو اکیڈمی لکھنؤ
تذکرہ یادگار شعراء	اسپرنگر/طفیل احمد	یوپی اُردو اکیڈمی لکھنؤ
چراغ شہر جگر کے	قمر قدیر ارم	ارم پبلی کیشنز، مرادآباد
خواب پریشاں	ستیش فگار	مردآباد
داستانِ تاریخ اُردو	حامد حسن قادری	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی
سنسار ہمارا ہے	اونکار سنگھ اونکار	گنجن پرکاشن، مرادآباد
شعرائے اُردو تذکرے	حنیف نقوی	یوپی اُردو اکیڈمی لکھنؤ
شعرائے مرادآباد کی ادبی خدمات	ڈاکٹر فہمیدہ خان	ادارۂ زبان وادب مرادآباد
عکس جمال (شعری مجموعہ)	ستیش کمار فگار	مرادآباد
قصیدہ نگاران اُتر پردیش	علی جواد زیدی	یوپی اُردو اکیڈمی لکھنؤ
کوثر مدحت	ستیش کمار گپتا فگار	مرادآباد
گاہے گاہے (شعری مجموعہ)	رولینڈ لارنس	نئی آواز جامعہ نگر، دہلی
محسن اسلام	ستیش کمار گپتا فگار	مرادآباد
مخبر عالم اور تحریک آزادی	امداد صابری	کراچی پاکستان
مخزن نکات	قائم چاندپوری	یوپی اُردو اکیڈمی لکھنؤ
مدرسین مرادآباد اور اُردو شاعری	توصیف/کشور	ہیوٹ مسلم انٹر کالج مرادآباد
مدیحیہ وقار	لالہ پیتم رائے	مطبع مطلع العلوم، مرادآباد
ہمارے رسول	ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ	ایرانی سفارت خانہ، دہلی
ہندوستانی رنگ	پروفیسر محمد حسن	غالب اکیڈمی، نئی دہلی

مؤلف کا تعارفی خاکہ

نام : محمد آصف حُسین

ولدیت : جناب زاہد حُسین

تاریخ پیدائش : ۱۹؍جولائی ۱۹۷۲ء

تعلیم : بی. ایس سی، بی ایڈ

ایم. اے. (اُردو) پی. ایچ ڈی.

رُکنیت : بانی جنرل سکریٹری حمد و نعت فاؤنڈیشن، مرادآباد

قلمی خدمات

- محمد حنیف قریشی کا اجمالی تعارف (۲۰۰۲ء)
- فاضل بریلوی، حیات و خدمات (۲۰۰۴ء)
- روحِ ایماں (مولانا نذیر الاکرمؒ کا نعتیہ مجموعہ) (۲۰۱۲ء)
- عارف حسن خان: شخصیت اور ادبی خدمات (۲۰۱۳ء)
- مرادآباد کے غیر مسلم شعرا (۲۰۱۵ء)
- مرادآباد میں نعت گوئی کی روایت (تحقیقی مقالہ) (منتظر اشاعت)
- تذکرہ شعرائے مرادآباد (ابتدا سے ۱۹ویں صدی تک (منتظر اشاعت)
- خانوادۂ نواب مجو خاں کی ادبی خدمات (منتظر اشاعت)
- مضامین کیف مرادآبادی (منتظر اشاعت)
- خاورؔ مرادآبادی کا نعتیہ مجموعہ ''سرمایہ خاور'' (منتظر اشاعت)
- قمر مرادآبادی کی نعتیہ شاعری (زیر ترتیب)
- مرادآباد کے علماء اور مشائخ (زیر ترتیب)
- خواتین مرادآباد کی ادبی خدمات (زیر ترتیب)
- مولانا کفایت علی کافی (مونوگراف) (زیر ترتیب)

خط و کتابت کا پتہ : ٹیسٹی ڈیری، بیلداران روڈ، دیوان کا بازار، مرادآباد

मुरादाबद के ग़ैर मुस्लिम शोअरा

(तज़्किरा ज़ेब ए चमन)

मोहम्मद आसिफ़ हुसैन

مؤلف کا تعارفی خاکہ

نام : محمد آصف حسین

ولدیت : جناب زاہد حسین

تاریخ پیدائش : ۱۹؍جولائی ۱۹۷۲ء

تعلیم : بی. ایس سی. بی ایڈ

ایم. اے. (اردو) پی. ایچ ڈی.

رکنیت : بانی جنرل سکریٹری حمد و نعت فاؤنڈیشن، مرادآباد

قلمی خدمات

- محمد حنیف قریشی کا اجمالی تعارف (۲۰۰۲ء)
- فاضل بریلوی، حیات و خدمات (۲۰۰۴ء)
- روحِ ایماں (مولانا نذیر الاکرم کا نعتیہ مجموعہ) (۲۰۱۲ء)
- عارف حسن خان: شخصیت اور ادبی خدمات (۲۰۱۳ء)
- مرادآباد کے غیر مسلم شعرا (۲۰۱۵ء)
- مرادآباد میں نعت گوئی کی روایت (تحقیقی مقالہ) (منتظر اشاعت)
- تذکرہ شعرائے مرادآباد (ابتدا سے ۱۹ویں صدی تک) (منتظر اشاعت)
- خانوادۂ نواب مجو خاں کی ادبی خدمات (منتظر اشاعت)
- مضامین کیف مرادآبادی (منتظر اشاعت)
- خاورؔ مرادآبادی کا نعتیہ مجموعہ "سرمایہ خاور" (منتظر اشاعت)
- قمر مرادآبادی کی نعتیہ شاعری (زیر ترتیب)
- مرادآباد کے علماء اور مشائخ (زیر ترتیب)
- خواتین مرادآباد کی ادبی خدمات (زیر ترتیب)
- مولانا کفایت علی کافی (مونوگراف) (زیر ترتیب)

خط و کتابت کا پتہ : عیشی ڈیری، بیلداران روڈ، دیوان کا بازار، مرادآباد